Postal Regd.No.LW/NP/63/2003 to 2005

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama,Lucknow-226007

November-2003

R.N.I.No.UP.URD/2001/6071

Vol.2, Issue No.15

Mob : 3102451

(S) : 0522-2260671
(R) : 0522-2267429

Mohd. Miyan Jewellers

محمد میاں جیولرس

۱۲ر کپور مارکیٹ، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ-۳

Tel: 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

Sana Jewellers

۱۳۰۱/۱۲ سرائے بانس
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12 Sarain Bans
Akbari Gate Chowk, Lucknow-3

2260433

جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace

گھنہ پیلیس

Whenever You See Jewellery; Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک، لکھنؤ

Resi : 2268177
Mob: 3126122

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ر سالہ دیرینہ نام

Shop : 2000667
: 9415002532

حاجی صفی اللہ جیولرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑجھالہ کے سامنے آمین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH

Jewellers

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad,Lucknow-18

چشمہ ساکر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔

AUTO REFRECTO METER AR-860

فوٹو کرائک ہائی کونیڈ لینس ہائی انڈیکس ریڈی لینس
فینسی پاور اور رنگ کے شیشوں کا قابل اعتماد مرکز

- ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشین اے۔ رحمن (علیگ)

شنگرفی کی موتی کے نزد پک معتبر گنج، اعظم گڑھ

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

اشاعت کے اٹھرسال

ہماری عمر قطب مینار اور تاج محل سے زیادہ بڑی ہے

ہم نے اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، اور میں جب آپ کے سامنے یہ الفاظ کہتا ہوں تو میرا ضمیر میرے دل میں چٹکی لیتا ہے اور کہتا ہے کہ رہنے کا فیصلہ کیا معنی؟ ہم یہاں پیدا ہوئے اور یہاں ہیں، ہماری یہاں موجودگی، قائم اور استوار ہمالیہ اور رواں دواں گنگا سے زیادہ حقیقی اور پائیدار ہے۔ ہماری عمر اس تاج محل اور قطب مینار سے زیادہ بڑی ہے اور ہمارا حق اس سے زیادہ ثابت ہے، جتنا ان قابل فخر یادگاروں کا جن کو ہماری صلاحیتوں نے وجود بخشا۔ ہم یہاں کے ہر مسئلہ کو حل کریں گے۔ ہم یہاں کی قومیت، یہاں کی ثقافت اور یہاں کے تمدن میں اس طرح پیوست ہیں کہ ہم کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ہم حکومت سے ہزار بار شکایت کریں گے، ہم ہزار بار روٹھیں گے۔ ہم ہر ہندوستانی کا گریبان پکڑ سکتے ہیں.... بہر حال ہم کو اس ملک میں رہنا ہے اور تمام خصوصیات و تشخصات کے ساتھ رہنا ہے، ہم اس ملک کو تباہی، فرقہ واریت اور فسطائیت کے راستہ پر کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

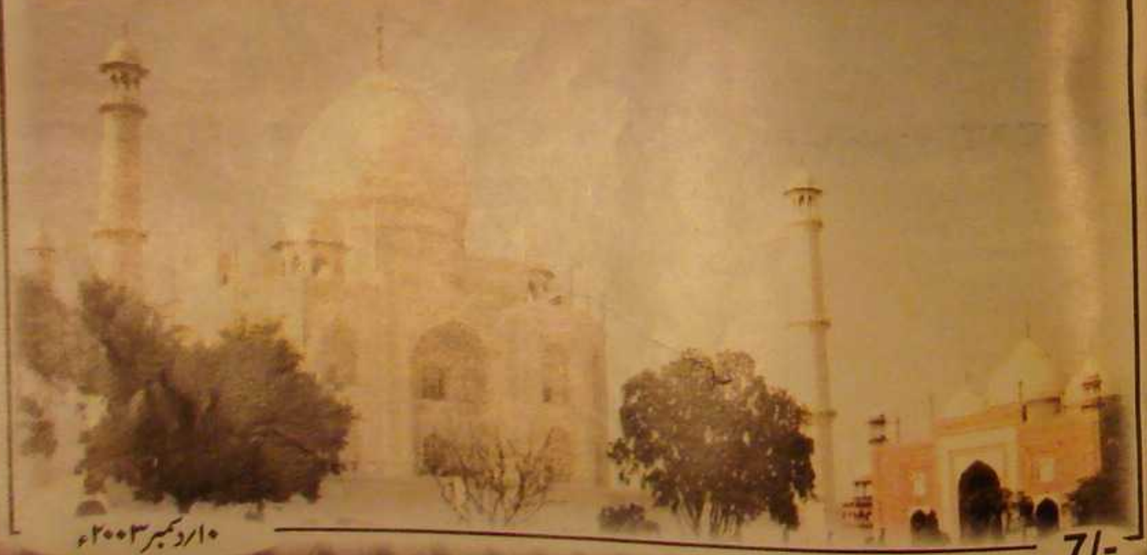

Editor: Sharmul Haq Nadwi Office Ph : 2787250 (Ext) 18, Guest House : 2740151,Fax 91-522-2787310,2788376

رُودادِ ملت

جس قدر برہم خراجِ باغباں بنتا گیا — اپنا عزم آشیاں سازی جواں بنتا گیا
میرے نالوں سے ملی صحنِ چمن کو تازگی — میرا خوں حسن وجمال گلستاں بنتا گیا
وہ زمیں، ہے جس کی مٹی میں مرے خوں کی مہک — اس کا ہر ذرہ حریفِ آسماں بنتا گیا
دہر میں گذرے جدھر سے آبلہ پایانِ عشق — ان کا ہر ایک نقش، نقشِ جاوداں بنتا گیا
جس قدر ہوتی گئی تکمیلِ تاریخِ وفا — اہلِ حق کا نام زیبِ داستاں بنتا گیا
ہم خدا والے، خدا کا نام لیتے ہی رہے — ہر صنم گو دشمنِ ایمان وجاں بنتا گیا
میرے لب سلتے رہے، میری زباں کٹتی رہی — ایک عالم تھا کہ پھر بھی ہم زباں بنتا گیا
اہلِ دل نے اپنے ہاتھوں جس کی رسمی تھی بنا — زلزے آتے رہے، اور وہ مکاں بنتا گیا
جس کو خود دو گھونٹ پینے کا سلیقہ بھی نہ تھا — ایسا ہر میکش مرا پیر مغاں بنتا گیا
اہلِ ہمت ہوں تو ہم نے یہ بھی دیکھا بارہا — بجلیاں ہر گرتی رہیں اور آشیاں بنتا گیا

کس نے چھیڑا اس طرح صبحِ ازل سازِ الست
اس کا ہر نغمہ نشاطِ قلب و جاں بنتا گیا

ایک وہ، جس نے چنا مجھ کو امینِ دردِ عشق — ایک میں، بارِ کرم جس پر گراں بنتا گیا
اے جبینِ بندگی! اب کیا ہے تیرا اعتبار — مل گیا جو در، وہ تیرا آستاں بنتا گیا
گو زباں اب بھی بزعمِ دعویٔ توحید ہے — چپکے چپکے دل پرستارِ بتاں بنتا گیا
دینِ حق کا روئے روشن چھپ گیا زیرِ غبار — بدعتوں کا کارواں در کارواں بنتا گیا
ہم نے جو بیکار شے پائی، سجا کر رکھ دیا — اپنا مذہب اک کباڑی کی دکاں بنتا گیا
جزوِ ایماں بن گئیں مجہول پیشیں گوئیاں — اور قرآں اپنے حق میں رائیگاں بنتا گیا
وہ صحیفہ، اب ہے روحوں کی نکاسی کے لئے — کل جو آئینِ حیاتِ جاوداں بنتا گیا
سچ وہی رٹی میں ہم نے اپنے ماضی کی کتاب — اور اسے پاکر زمانہ کامراں بنتا گیا
سامری کی شعبدہ کاری نے دکھلائے یہ دن — جلوۂ تہذیبِ حاضر حرزِ جاں بنتا گیا
چھاگئی ذوقِ براہیمی پہ خوئے آذری — مردِ مومن بت کدوں کا پاسباں بنتا گیا
معصیت خانوں میں رونق مسجدیں ویراں ہوئیں — طاق میں چمگادڑوں کا آشیاں بنتا گیا
حوصلوں کی جس کے منزل تھی ستاروں سے بلند — مرقدوں پر عود ولوباں کا دھواں بنتا گیا
جس نے وہی بانگِ درا، جس نے دکھائی راہِ حق — رفتہ رفتہ خود ہی گردِ کارواں بنتا گیا
ہر نفس پیغامِ بیداری تھا جس کا، دہر کو — وہ رہینِ لذتِ خوابِ گراں بنتا گیا
جس نے دنیا میں جلائی مشعلِ علم و یقیں — خود اسیرِ ظلمت وہم و گماں بنتا گیا
بندگی نے جس کی بخشا تھا وقارِ خواجگی — اس کا در چھوٹا تو ہر درآستاں بنتا گیا

میرا دردِ دل سمجھ، لفظوں کی تلخی پر نہ جا — دیکھ ہر زخمِ جگر، کیوں خونفشاں بنتا گیا
جل رہا ہوں مدتوں سے شمعِ سوزاں کی طرح — گاہ میں شعلہ بنا، گاہے دھواں بنتا گیا
اتنی لے اونچی ہوئی، میری اذانِ شوق کی — چھٹتا خوابیدہ ضمیر کن فکاں بنتا گیا

جب سے کھولی ہم نے اشعر اپنی راہِ مستقیم
دہر بھی بھٹکا ہوا اک کارواں بنتا گیا

تاج الدین اشعر رام نگری

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کے ۲۱ ویں سال

جلد نمبر ۔ ۴۱ — ۱۰ر دسمبر ۲۰۰۳ء مطابق ۱۵ر شوال المکرم ۱۴۲۴ھ — شمارہ نمبر ۔ ۳

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
• مولانا نذر الحفیظ ندوی • مولانا عبداللہ حسنی ندوی
• مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرتعاون
سالانہ -/۱۵۰ ——— فی شمارہ -/
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ر ڈ
• ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayaat
Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 2741235 (Ext)18 مہمان خانہ (0522) 2740151
Website : www.nadwatululama.org
e-mail : Nadwa@sancharnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
- عید الفطر اور اس کی برکتیں — ۲
- اداریہ
- اللہ اکبر کبیرا — ۳
- درس بخاری شریف — ۴
- حضرت مولانا علی میاں کا طریقۂ اصلاح ملک وملت — ۱۱
- وہائٹ ہاؤس کی دیواروں پر سیاہی — ۱۴
- حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کی رحلت ——— ملت کا ایک خسارہ — ۱۷
- ایک ممتاز اسلامی شاعر: "عمر بہاؤالامیری" — ۱۸
- حقیقت موت: ایک مطالعہ — ۲۲
- جس نے ستایا اس نے دعا لی — ۲۴
- لداخ میں اسلامی سرگرمیاں — ۲۵
- کتابوں کی دنیا — ۲۷
- مدارس دین کے قلعے ہیں — ۲۹
- عالمی خبریں — ۳۱
- فقہی سوال وجواب — ۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زرتعاون ۱۵۰ر روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

دین فطرت

عید الفطر اور اس کی حکمتیں

عید سعید کے موقع پر حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا پیغام تہنیت

بسم اللہ، و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ محمد بن عبد اللہ۔

عید الفطر مسلمانوں کا ایک ایسی مسرت کا دن ہے جو اپنے میں مسرت کے کئی پہلو رکھتا ہے، اس دن کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دن ماضی کی کسی شخصیت کے کسی مسرت یا فکر اور پریشانی کے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ یہ عید کرنے والوں کے خود اپنی مسرت کے اسباب سے تعلق رکھتا ہے، حالیہ مدت میں ان کو جن احساسات سے سابقہ پڑا وہ اس مسرت کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں، عید کے اس دن سے قبل پورے ایک ماہ انہوں نے روزے رکھے، یہ روزے ایک ماہ تک مسلسل صبح سے شام تک کھانے پینے کو یکسر موقوف کرتے ہیں، چنانچہ یہ روزے رکھنے والوں کو بھوک پیاس کی زحمت کے احساسات سے روزانہ واسطہ پڑتا ہے، اور اسی طرح ایک خوش حال اور معاشی فراخی رکھنے والے کو بھی اس انسانی تقاضہ کے پورا نہ ہونے کے عملی احساس سے گذرنا ہوتا ہے جو عموماً وسائل معاش کی کمی رکھنے والے کو پیش آتا ہے، اس طرح وسائل معاش میں فراخی رکھنے والے کو بھی اس کا اندازہ و تجربہ ہوتا ہے کہ وسائل سے محروم اور معاشی تنگی سے گذرنے والے اشخاص پر ضبط و برداشت کی کیا کیفیت گذرتی ہے؟ اسی کے ساتھ ساتھ دن کے دس بارہ گھنٹے بالکل کھانے پینے کی ہر چیز سے مطلق انقطاع کے بعد روزہ دار کو جب کھانے پینے کا موقع ملتا ہے تو صرف یہی نہیں کہ اس کی ضرورت پوری ہوتی ہے بلکہ انسانیت کی ایک یہ تسکین بھی ہوتی ہے کہ ہم نے دیگر انسانوں کی تکلیف کا تجربہ کیا، اس موقع کے لئے روزہ داروں کو ان کے مذہب کی طرف سے نصیحت بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی بھوک پیاس کے اس انسانی تقاضہ کو پورا کرنے میں شریک کرنے کی کوشش کریں، اس میں اس طرح اس بات کی تھوڑی مشق بھی ہوتی ہے کہ محرومی سے گذرنے والے کی محرومی کو محسوس کیا جائے، اور اس کے ساتھ ہمدردی قابل عمل ہو تو وہ کی جائے۔ ایک ماہ تک روزانہ کھانے پینے سے مطلق پرہیز کے ایک قابل ذکر وقفہ سے گذرنا ایک ایسا شعور پیدا کر دیتا ہے جس سے انسان کو انسانی زندگی کی اس صعوبت کا خاصا تجربہ ہو جاتا ہے، اور اس کے دل میں نرمی اور گداز پیدا ہوتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اس کے لئے یہ عمل ایک تربیتی کورس بھی بن جاتا ہے۔ یہ تو ہوتا ہے روزہ کا عام انسانی پہلو، اس کے علاوہ اس کا سب سے اہم پہلو ہے اس کا مذہبی پہلو کہ روزہ دار نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل تکلیف اٹھا کر بھی کی، اس سلسلہ میں ہر مسلمان کو یہ بتایا گیا ہے کہ اس محرومی و برداشت پر عمل وہ اپنے کسی دنیاوی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنے پروردگار کی رضامندی کی طلب میں کرے، اس سے اس کو اپنے رب کی خوشنودی بڑے پیمانہ پر حاصل ہوگی، اور روزہ کا اصل پہلو یہی بتایا گیا ہے، اور اسی کا اثر ہے کہ سخت سے سخت موسم میں اور ضرورت کی حالت میں بھی روزہ دار خوشی خوشی بآسانی روزہ رکھ لیتے ہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی خوشنودی کی واقعی فکر ہوتی ہے۔

ان دونوں باتوں کی وجہ سے روزہ دو اچھے پہلوؤں پر مشتمل ہو جاتا ہے، ایک تو یہی پہلو یعنی اپنے رب کی اطاعت اور خوشنودی کی طلب میں کچھ تکلیف برداشت کرنا، اور دوسرا اسی طرح کی محرومی سے گذرنے والے انسانوں کی تکلیف کا احساس کرنا، اور ایسوں کی کوئی مدد ہو سکے تو مدد کا جذبہ محسوس کرنا، ظاہر ہے کہ یہ ایسے عظیم عمل ہیں جن میں دو اچھے اور اہم پہلو پائے جاتے ہیں، ۲۹۔۳۰ دنوں تک برابر روزانہ کامیابی کے ساتھ گذرنے پر جو بھی سرور حاصل ہو وہ کم نہیں، وہ اس پورے مرحلہ سے گذر کر جب عید کے دن یہ دیکھتا ہے کہ ۳۰ دنوں تک کی وہ پابندی اب نہیں رہی، اور یہ کہ اس کو یہ دن خوش ہونے بلکہ مسرت کے اظہار کے لئے بطور انعام دیا گیا ہے، اور اس کو اس کا موقع دیا گیا ہے کہ وہ آج اپنی خوشی اور اپنے رفقاء اور اعزہ کے ساتھ اس سہولت کی بحالی کی مسرت حاصل کرے، اس کا مسرت کا یہ حصول اس کے لئے ایک طرف ایک جشن کی شکل میں بھی ہو، اور دوسری طرف دینی نقطۂ نظر سے اس کے لئے انعام ہو، چنانچہ عید کے روز اس کی اس خوشی کا اظہار صرف انفرادی ہی نہیں ہوتا بلکہ انفرادی کے ساتھ ساتھ یہ اجتماعی بھی ہوتا ہے، انفرادی لحاظ سے اس کو اپنے محدود دائرے میں مسرت اور سہولت کا احساس ہوتا ہے، اور اجتماعی طور پر اس مسرت اور حصول سہولت کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلۂ مسرت کی عملی شکل حاصل ہوتی ہے، اور یہ عملی شکل پورے آب و تاب کے ساتھ اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ بستی کے سارے لوگ دوگانہ پڑھنے کے لئے ایک جگہ ملکر جمع ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ اظہار مسرت کرتے ہیں، پھر ایک دوسرے کے گھر جانے کی کوشش کرتے ہیں، اور شیرینی سے تواضع اور خاطر کر کے اس مشترکہ مسرت کا اظہار کرتے ہیں، جب اجلے اور نئے کپڑوں میں ملبوس بوڑھے، جوان اور وہ بچے جو اپنے ماں باپ کی محبت و شفقت کے نتیجہ میں اچھے اچھے خوشنما لباس میں پھولوں کی طرح اپنے بڑوں کے ساتھ عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں، تو ایک عجیب بہار کا منظر نظر آتا ہے، ایک مہینہ کے تربیتی نظام سے گذرنے کی خوشی، پھر اس ماہ سے جو روحانی فائدے ہوئے ان کی خوشی، اور اس کی شب قدر جو اپنی چھوٹی سی مدت میں برسہابرس کی برکتیں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے اس سے گذرنے کی خوشی، اور اس ماہ کے اس خاص مرحلے سے گذر کر گویا نیا سال شروع کرنے کی خوشی، رمضان کی اس عید کے دن سب اکٹھا ہو جاتی ہے، اور اس میں مسرت کی وہ مقدار محسوس کی جاتی ہے جو سال کے دوسرے ایسے مسرت کے موقعوں پر نہیں محسوس ہوتی، اور اس کا جو اظہار انفرادی اور اجتماعی دونوں شکلوں میں ہوتا ہے اس کا "عید مبارک" کے لفظ سے ایک دوسرے کے سامنے اظہار کیا جاتا ہے، چنانچہ میں سب قارئین کو "عید مبارک" کہتا ہوں۔☆☆☆

اداریہ

اللہ اکبر کبیرا

(مولانا) عبداللہ عباس ندوی

رمضان کی مبارک راتیں اور رحمتوں کے سائے میں ڈھلے ہوئے دن رخصت ہوئے اور ان کا مسک الختام تکبیرات ہیں جن کے بارے میں کتاب ہدایت سراپا رحمت و برکت قرآن نے دو لفظوں میں انسان کو متوجہ کیا ہے۔

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

"اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔"

روزے کے دن گنے چنے تھے، "أياماً مَعْدُوْدات" اس گنتی کا لفظ یہاں دوبارہ دہرایا گیا، اور جس طرح نماز کا آخری تحیہ (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) ہے، حج کا اختتامی رکن حلق ہے اسی طرح ماہ رمضان کے خاتمہ کا اعلان تکبیرات ہیں گویا ایک ایک سانس کا رآمد بنانے کا عالمی نظام ہے، شیخ سعدی خوب کہہ گئے ہیں۔

ہر نفسے کہ فرد میرود دو ممد حیاتست — ہماری سانس جو اندر جاتی ہے زندگی بڑھانے والی ہے۔
و چوں برمی آید مفرح ذات — اور جب وہ سانس باہر نکلتی ہے تو گھٹن دور ہوتی ہے اور فرحت نصیب ہوتی ہے۔
پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است — اس سے ثابت ہوا کہ ہر سانس اپنے اندر دو نعمتیں رکھتی ہے (انکا باہر نکلنا بھی ایک نعمت
و ہر نعمتے شکرے واجب — اور اندر جانا بھی ایک نعمت) اور ہر نعمت موجب شکر ہے۔

رمضان کا روزہ روح کو غذا پہنچانے کا سامان تھا۔ جسم کی ہر ہر رگ زندگی کی غذا پا رہی تھی، تکبیر الٰہی اسی نعمت کا اظہار ہے اور یہ انسان کو زندگی کا پیغام دیتی ہے۔

اللہ اکبر کبیرا، یہی تو وہ صدا ہے جو ہماری مذہبی زندگی اور حیات روحانی دونوں کا سرچشمہ ہے، یہی علامت ہے اس بات کی کہ ہم خالق کائنات کی بندگی کے معترف ہیں یا یوں کہئے کہ میری ہر سانس میری بندگی کا اعلان کرتی ہے اور آج دنیا کی دشمنی دراصل اسی زندگی کی دشمنی ہے، یہی وہ صدا ہے جو ہماری زبان سے ادھر نکلی ادھر شر و نکبت، خبث و جہل کے پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑے اور ہم نے بھی کبھی انکار نہیں کیا، تم اس آواز حق کا ترجمہ دہشت گردی سے کرو، اعتراف بندگی کے اس اعلان کو بنیاد پرستی کہو، تم پانی کو آگ کہو، سلامتی کو فتنہ کہو امن پسندی کو بدامنی کہو ہم بھی کبھی انکار نہیں کریں گے اور اگر آواز حق کا بلند کرنا جرم ہے تو ہاں ہم مجرم ہیں بلکہ ع

مجرم نہیں ہے کوئی مگر ہم ضرور ہیں

اللہ اکبر کبیرا۔ بڑی عظمت والا ہے میرا پروردگار، ہر طرح کی بڑائی اس کے شایان شان ہے۔ عظمت اس کی عظمت ہے یہ ہے اس تکبیر کا مطلب جو روزے کے بعد ہم شروع کرتے ہیں، اور ابھی ایک موسم عبادت ختم ہوا اور دوسرا موسم عبادت حج کا شروع ہو گیا، کسی نے کہا کہ یہ بہت زیادہ ہے کہ ساری زندگی عبادتوں کے موسم رہیں، ایک بندۂ مومن نے کہا کہ یہ بہت کم ہے اتنے عرصہ کی پابندی اور عبادت گذاری کے خاص اوقات کا حق ادا کرنے کے باوجود ہمارے نفس کی مجال شوریدگی کم نہیں ہوتی اور بر و بحر کا فساد گھٹنے کے بجائے بڑھتا جاتا ہے اور اگر یہ عبادت کے خاص موسم نہ ہوتے تو ہم اور بھی پس ماندۂ اخلاق و انسانیت ہوتے، یہ چند دنوں کی زندگی لاکھوں برس کا عذاب معلوم ہوتی، اگر یہ پابندیاں کم ہوتیں تو یہ چند نفوس بھی زمین کے اوپر نہیں دیکھے جاتے ع

کرتے ہیں ظالم جو اشک صبح گاہی سے وضو

آج لغت میں مساوات، شرافت، دادرسی، غربت پروری، صبر و برداشت کے الفاظ بھی نہ پائے جاتے اور نہ کوئی ان کے مفہوم سے آشنا ہوتا۔

اللہ اکبر کبیرا، سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا

☆☆☆

درس بخاری شریف ☆

امام بخاری کی الجامع الصحیح

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب اعظمی ندوی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد واصحابه اجمعين اما بعد! فان اصدق الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى سيدنا و مولانا محمد ﷺ وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار۔

میں اپنے درس کا آغاز حدیث مسلسل بالاولیت سے کررہا ہوں سب سے پہلے ہمارے شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدنی نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی معمول تھا اس حدیث سے درس کا آغاز فرماتے تھے تاکہ مسلسل بالاولیت کا تسلسل قائم رہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الراحمون يرحمهم الرحمن تبارك و تعالىٰ ارحموا من فى الأرض يرحمكم من فى السماء"

درس کے شروع میں علم حدیث کے مبادی بیان کیا کرتا تھا جس کو روس ثمانیہ کہا جاتا ہے اور اسی طرح سے ان کی تفصیلات اور درس کے آداب وغیرہ کو بیان کرتا تھا جو حضرت شیخؒ کی تقریر میں چھپے ہوئے ہیں، مگر اس مختصر وقت میں صرف حدیث کی تعریف اور اس کے فضائل اور امام بخاری کے مختصر ترجمہ پر اختصار کررہا ہوں تاکہ اصل کتاب پر گفتگو کرسکوں۔

تعریف حدیث:-

حدیث کی مشہور تعریف یہ ہے "كل ما اثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية كانت أو خلقية سواء كانت قبل البعثة أو بعدها" یعنی ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہو خواہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر (تقریر سے مراد ہے کہ جس کام پر آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا) یا سکوت فرمایا یا ایسی صفت جس کا تعلق آپ کی خلقت سے ہو جیسے حضور ﷺ کا روئے انور کیسا تھا یا آپ ﷺ کی قامت مبارک یا موئے مبارک کیسے تھے، خواہ آپ کے اخلاق وعادات شمائل وحالات بعثت سے پہلے سے تعلق رکھتے ہوں یا بعد سے یہ سب حدیث کی تعریف میں آجائیں گے محدثین کی اصطلاح میں سنت وحدیث میں کوئی فرق نہیں ہے، حدیث شریف کی تعریف سن کر اگر طالب علم غور کرے تو اس کے اندر عشق نبوی کا جذبہ پیدا ہوگا، آپ یہ محسوس کریں کہ آپ باغ رسول میں بیٹھے ہوئے ہیں، اس لئے آپ ﷺ کے اخلاق وعادات وشمائل کو اپنانے کی کوشش کریں۔

فضیلت حدیث:-

حدیث کے سلسلے میں بہت سے فضائل اور پیشین گوئیاں وارد ہوئی ہیں مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا" نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه "اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے اس بندے کو جس نے میری بات کو سنا اور یاد رکھا، یہ بشارت بھی ہے اور پیشن گوئی بھی، قطع نظر ان فضائل کے خود آپ ﷺ سے محبت وعشق کا تقاضا ہے کہ آپ کی حدیث کو سینے سے لگایا جائے مزید یہ کہ ہر حدیث کے ساتھ درود شریف کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے، درود شریف کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من صلى على واحدة صلى الله عليه عشرا"

ترجمہ امام بخاری:-

امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ہے، بردزبہ مجوسی تھے، اسی مجوسیت پر ان کا انتقال ہوا، ان کے صاحبزادہ مغیرہ پہلے شخص ہیں جو امیر بخارا ایمان جعفی کے ہاتھوں پر مشرف بالاسلام ہوئے اسی نسبت سے امام صاحب جعفی مشہور ہوئے، امام صاحب کے دادا کے حالات معلوم نہیں، البتہ ان کے والد اسماعیل اپنے زمانے میں طبقۂ رابعہ کے مشہور محدث شمار کئے گئے ہیں، انہوں نے امام مالک سے بھی سماع حاصل کیا، ۱۳ر شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں بخارا میں ہی پیدائش ہوئی، بچپن میں نابینا تھے، لیکن والدہ کی دعا کی برکت سے آنکھیں روشن ہوگئیں، ان کی والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کی زیارت کی، آپ نے فرمایا کہ تمہاری کثرت دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑکے کی بینائی واپس کردی، واقعی صبح کو وہ بینا تھے والد صاحب کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا تھا، والدہ کی آغوش شفقت میں نشو ونما پائی، سولہ سال کی عمر میں امام موصوف نے عبداللہ ابن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کرلیا تھا اور اپنی والدہ و بڑے بھائی کے ساتھ اٹھارہ سال کی عمر میں سفر حج کیا، مدینہ منورہ حاضری پر نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس چاندنی راتوں میں "قضايا الصحابة والتابعين" اور "التاريخ الكبير" کی تصنیف کی، اور ۲۱۰ھ میں انہوں نے عالم اسلام کے مشہور مراکز کا طلب حدیث کے لئے سفر کیا، بغداد میں آٹھ مرتبہ آمد ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی حافظہ سے نوازا تھا، جو حدیث استاذ سے سنتے فوراً یاد ہوجاتی، خود فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اور اس جامع صحیح کو میں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے، چنانچہ جس وقت وہ بغداد تشریف لائے تو وہاں کے محدثین نے امتحان لینا چاہا سو احادیث کے متون واسانید میں الٹ پھیر کرکے دس آدمیوں کے حوالے کیا کہ ہر شخص ان میں سے دس دس حدیثیں اسی طرح پیش کرے، شہر کا بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوگیا تھا، محدثین نے حدیثیں پیش کرنی شروع کیں، امام موصوف ہر مرتبہ فرماتے "لا ادری" جب سب لوگ حدیثیں پیش کرکے فارغ ہوگئے تو امام صاحب نے ہر

☆ ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو ندوہ میں دیا گیا درس بخاری شریف۔

متن کو اس کی اصل سند کے ساتھ اور ہر سند کو اس کی اصل متن سے ملحق کرکے ترتیب وار سنایا، لوگ سن کر دنگ رہ گئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تعجب اس پر نہیں ہے کہ صحیح غلط میں امتیاز کردیا بلکہ کمال یہ ہے کہ ان لوگوں نے جس ترتیب سے غلط شکل میں احادیث کو پیش کیا تھا اس کو بھی بیان کردیا، انسائیکلوپیڈیا کے مؤلفین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ امام صاحب کا حافظہ اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، تفصیل کے لئے محدثین عظام ملاحظہ ہو، امام صاحب کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی، ۶۲ سال کی عمر میں حدیث رسول کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

تعارف کتاب:-

کتاب کا پورا نام الجامع الصحيح المسند من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" ہے یہ نام شروع سے چلا آرہا ہے، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور سارے فقہا ومحدثین سے یہی منقول ہوتا چلا آرہا ہے لیکن اگر ساڑھے بارہ سو برس کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے ایک مخطوطہ ملا ہے جس میں نام اس سے مختلف ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیوں کہ وہ جمہور کے خلاف ہے، ہم تو اسی نام پر اصرار کریں گے جو امت میں مشہور ومعروف ہوتا چلا آرہا ہے۔

یہ کتاب حدیث کے آٹھوں ابواب پر مشتمل ہے اس لئے اس کو الجامع کہا جاتا ہے، امام بخاری سے پہلے علماء اپنی کتابوں میں کیف ما اتفق احادیث کو جمع کرتے چلے آئے تھے، اس میں صحیح وضعیف مرفوع و موقوف ہر طرح کی احادیث تھیں، جس کی تفصیل آپ نے تدوین حدیث کے ذیل میں سنی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے غیبی نظام کے تحت محدثین کی جماعت کو علم حدیث کی حفاظت کے لئے کھڑا کیا، اور آیت کریمہ "انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون" میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی طرح اس کے شرح وبیان کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے اور وہ علم حدیث ہے، جو علماء خدمت حدیث کے میدان میں آئے ان میں امام بخاری کا بہت بڑا مقام ہے بلکہ ان میں امام بخاری سب کے سرخیل ہیں، انہیں احادیث صحیحہ کے انتخاب کا خیال پیدا ہوا، ان کے شیخ اسحاق بن راہویہ نے بھی اس کی ترغیب دی، نیز امام بخاری نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی کہ آپ ﷺ سے مکھیوں کو دفع کررہا ہوں، یعنی ضعیف وموضوع احادیث کو الگ کررہا ہوں، خواب نے ان کے شوق ہمت کو اور بلند کردیا اور "الجامع الصحیح" کی تالیف میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، اس تصنیف میں انہوں نے سولہ سال صرف کئے اور ہر حدیث درج کرنے سے قبل وضو وغسل کرتے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے استخارہ کرتے جب اس کی صحت پر پورا اطمینان ہوجاتا تو اس حدیث کو درج کرتے، اس کتاب کا خطط چھ سال میں حرمین شریفین کے قیام کے دوران تیار کیا تھا، اس کتاب کی پوری پلاننگ امام بخاری نے روضۂ پاک کے پاس بیٹھ کر بنائی، انہوں نے اپنی کتاب کے تراجم کو نبی ﷺ کی قبر مبارک اور منبر شریف کے درمیان بیٹھ کر مرتب کیا تھا اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے تھے، گویا امام بخاری کو غیبی نظام کے تحت ایسی عظیم الشان کتاب لکھنے کی طرف رہنمائی کی جارہی تھی، جس کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد سب سے اہم ہو، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ "أصح كتاب بعد كتاب الله تعالى الجامع الصحيح للامام البخارى۔"

صحیح بخاری کی تدریسی حیثیت:-

یہاں پر میں اس پر بھی تنبیہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صحیح بخاری کی تدریسی حیثیت کیا ہے؟ صحاح ستہ کے مؤلفین کے پیش نظر خاص خاص مقاصد تھے، حضرت امام بخاری کے پیش نظر طرق استنباط واستخراج مسائل ہے جو ان کے تراجم سے ظاہر ہے اور اہل درس کا مشہور مقولہ ہے کہ بخاری کی ساری کمائی ان کے تراجم میں ہے، اسی طرح امام مسلم نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا بیان کردیا ہے، امام ابوداود نے احکام کے متدلات کو موضوع قرار دیا، امام ترمذی کا مقصد بیان مذاہب ہے اور امام نسائی کی غرض علل حدیث پر تنبیہ کرنا ہے، امام ابن ماجہ نے غیر معروف روایات کو بیان کرنا اپنے پیش نظر رکھا ہے، اس لئے طالب علم کو سب سے پہلے ائمہ کے مذاہب معلوم ہونے چاہئیں اور ان کے دلائل کا علم ہونا چاہئے، اس لئے ترمذی شریف مقدم ہے اس کے بعد سنن ابی داود کا درجہ ہے اس کے بعد بخاری شریف کا درجہ ہے کیونکہ طالب علم جب مذاہب وادلہ کو معلوم کرلے گا تو بخاری کے تراجم کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

خصوصیات تراجم بخاری:-

امام صاحب نے اپنے تراجم ابواب میں جس دقت نظر کا مظاہرہ فرمایا ہے، اس کے سمجھنے سے بڑے بڑے اہل علم قاصر ہیں، قاضی شوکانی نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر بخاری کی شرح کا قرض ادا کردیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تراجم کی شرح کا دین امت پر باقی ہے جس کا اعتراف بہت سے علماء کو بھی ہے متقدمین ومتاخرین نے جو کتابیں تراجم ابواب پر لکھی ہیں اور جن کے نام ہم کو "لامع الدراری" وغیرہ سے معلوم ہوئے ان کی تعداد چھ ہے، ان میں (۱) التواری علی تراجم البخاری ہے، یہ ابن منیر کی کتاب ہے اس میں چار سو تراجم پر گفتگو کی ہے اور شائع بھی ہوچکی ہے دوسری کتاب ابن جماعہ کی ہے وہ بھی چھپ چکی ہے اس میں سو تراجم پر کلام کیا گیا ہے۔

اس موضوع پر بھی ہندوستان میں سب سے اہم کام ہوا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شرح تراجم البخاری کے عنوان پر ایک رسالہ تالیف کیا اور اس کے مقدمہ میں بخاری کے چودہ اصول بیان فرمائے، اس کے بعد حضرت شیخ الہند کا رسالہ "الابواب والتراجم" جو اردو میں ہے اس میں حضرت نے پندرہ اصول بیان کئے ہیں حافظ ابن حجر وعلامہ عینی نے بھی تراجم ابواب کی طرف توجہ فرمائی ہے اور بعض اصولوں کی نشان دہی کی ہے، ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے ان

حضرات کے بیان کردہ اصول کی شرح فرمائی اور اس پر اضافہ بھی کیے، اس طرح ان اصولوں کی تعداد ستر تک پہونچ جاتی ہے، اگر ان کو پیش نظر رکھا جائے تو ہر جگہ حدیث و ترجمہ میں مناسبت نظر آئے گی اور اس سلسلہ میں حضرت کے یہاں استیعاب ہے، بخاری میں ترجمہ ہے "باب الصلوٰۃ إلی العنزۃ" (نیزہ کو سترہ بنانا) اس پر حافظ ابن حجر اور علام عینی سب ساکت ہیں، لیکن حضرت شیخؒ نے اس میں بھی ایک نکتہ حضرت گنگوہیؒ سے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں کی عبادت ہوتی تھی اس لئے امام بخاری نے دفع وہم کیا ہے کہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ نیزہ کو سترہ بنانا خلاف اولیٰ ہے اسی لئے کہا گیا ہے "فقہ البخاری فی تراجمہ"

امام بخاری کے تراجم کے قائم کرنے کے عجیب عجیب انداز ہیں، کبھی تو ترجمہ لفظ استفہام سے قائم کرتے ہیں "باب ؟ یلون کذا" اور "ومن قال کذا" یہ وہاں پر کرتے ہیں جب کسی ایک احتمال پر جزم نہیں ہوتا ہے اور کبھی اس طرح ترجمہ قائم کر کے ایک اجمال کو ترجیح دیتے ہیں کبھی ترجمہ کسی ایسی حدیث سے قائم کرتے ہیں جو بخاری کی شرط پر نہیں ہے، لیکن اس کے معنی کی تائید کرنا مقصود ہوتا ہے اور کبھی ترجمہ فقط باب سے لاتے ہیں، مقصد "تشحیذ الاذھان" ہوتا ہے کہ بخاری کا پڑھنے والا خود عنوان قائم کرے یا اس کے آگے و پیچھے کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جس کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، اور کبھی حدیث کی تشریح کرتے ہیں اور کسی موقع پر روایات کے اختلافات کو رفع کرتے ہیں اور کبھی ترجمہ کی حیثیت دعوی کی نہیں بلکہ تنبیہ کی ہوتی ہے جس کو سمجھدار سمجھ لے، لیکن جو بخاری کے انداز سے واقف نہیں ہے اس کو پریشانی ہوتی ہے کبھی بخاری کا مقصد ظاہر سے نہیں ہوتا بلکہ کسی التزامی معنی کو مراد لے کر اسی کی مناسبت سے حدیث کو پیش فرماتے ہیں۔

امام بخاری کا مسلک:-

انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سے عناوین ایسے قائم کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب حنفیہ کی تردید فرمارہے ہیں اور بہت سے مواقع پر امام بخاری نے شوافع اور دیگر ائمہ کے مسائل پر بھی رد فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے، چونکہ امام بخاری حمیدی، اور زعفرانی کے شاگرد ہیں اور دونوں امام شافعی کے شاگرد ہیں اس تلمذ کی وجہ سے بعض لوگوں نے شافعی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ امام احمد سے آٹھ مرتبہ بغداد میں ملاقات ہوئی اس لئے وہ حنبلی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ مجتہد مطلق ہیں، اور وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں، نیز امام بخاری اسحاق بن راہویہ کے بھی شاگرد ہیں جو حنفی المسلک تھے، لیکن اس تلمذ کی بنا پر تو حنفی نہیں کہا جاسکتا۔

طریقہ آغاز پر اشکال اور اس کا جواب:-

امام بخاری نے اپنی کتاب کا آغاز تسمیہ سے کیا ہے، یہاں پر اشکال یہ پیدا ہورہا ہے کہ حمد وصلوٰۃ سے ... ابتدا کرنے کا حکم آیا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "کل أمر ذی بال لایبدأ فیہ بالحمد أقطع"

علامہ عینی نے اس کے سات جوابات دیے ہیں، جو بخاری کے حاشیے پر بھی مذکور ہیں، مشہور جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے ایک راوی قرۃ بن عبد الرحمن ہیں، اور وہ ضعیف ہیں، اس لئے امام بخاری نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، لیکن مشکل یہ ہے کہ قرۃ تنہا نہیں ہیں بلکہ اس کے متابع سعید بن عبد العزیز بھی موجود ہیں، اس لئے ابن صلاح نے اس حدیث کی تحسین بلکہ تصحیح کی ہے، ابن خزیمہ وابن حبان نے اس کی تخریج کی ہے اس لئے ممکن نہیں ہے کہ امام بخاری ان محدثین کی تحسین وتصحیح کے باوجود اس روایت سے صرف نظر کریں، دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ اہم کام کا آغاز حمد وصلوٰۃ سے ہو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ کتابت بھی کی جائے، ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے تسمیہ لکھنے کے بعد حمد وصلوٰۃ کو زبانی پڑھ لیا ہو، یہ جواب مناسب ہے اور تیسرا جواب جو سب سے زیادہ ارجح معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے کہیں بحمد اللہ کہا، کہیں بسم اللہ کہا اور کہیں بذکر اللہ، روای نے مختلف کلمات سے تعبیر کی ہے، اور سب کا حاصل ذکر اللہ ہے مقصود یہ ہے کہ ذکر اللہ سے آغاز کیا جائے، علامہ سبکی نے اپنی کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبری" میں اسی کو ترجیح دی ہے، امام بخاری نے بسم اللہ سے آغاز فرمایا اقتداءً بالنبی ﷺ کیوں کہ حضور ﷺ نے اپنے رسائل جو ملوک وسلاطین کے نام بھیجے ہیں اس میں صرف تسمیہ پر ہی اکتفا فرمایا، حمد لکھنا ضروری ہوتا تو اس پر عمل فرماتے، اس لئے امام بخاریؒ کا یہ عمل حضور ﷺ کی اتباع میں ہے۔

افتتاح کتاب میں امام بخاری کی ندرت:-

بسم اللہ کے بعد امام بخاری نے "باب" فرمایا اصول کے مطابق یہاں کتاب ہونا چاہئے اس لئے کہ آگے "کتاب العلم، کتاب الایمان، کتاب الوضوء" وغیرہ آرہا ہے، مصنفین کی اصطلاح میں کتاب اسے کہتے ہیں جس کے تحت متعدد ابواب ہوں اور باب اسے کہتے ہیں جس میں ایک ہی نوع کے مسائل پر گفتگو کی جائے، یہاں امام بخاری نے "باب" فرمایا اس لئے کہ ان کو صرف عظمت وحی کے مسئلہ پر گفتگو کرنی ہے، حافظ ابن حجر کے پاس جو بخاری کا نسخہ تھا اس میں "باب" بھی نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے اسی کو ترجیح دی ہے، فرمایا کہ "باب" کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وحی مقسم ہے "فکل مایاتی فیما بعد فھو قسیم منہ" اس لئے جتنے ابواب آرہے ہیں سب کے سب قسیم ہیں اور اصل تو وحی ہے، امام بخاری نے وحی کی عظمت کو بیان کرنا اپنے پیش نظر رکھا ہے، اس لئے اس سے کتاب کا آغاز فرمایا، جہاں تک وحی کے احکام ہیں وہ آگے "کتاب فضائل القرآن" میں آرہے ہیں، وہاں انہوں نے ترجمہ قائم کیا ہے "باب کیف نزل

الوحی واول مانزل" اور وحی کے تمام متعلقات سے بحث کی ہے، یہاں امام کا مقصد اصلا یہ بتانا ہے کہ دین کا تمام تر انحصار ومدار وحی پر ہے، دیگر محدثین نے بھی اپنی کتاب کے افتتاحیے لکھے ہیں امام مالک نے کتاب الاوقات سے آغاز فرمایا ہے کیونکہ نماز ادا کرنا اوقات کے معلوم کرنے پر موقوف ہے اور نماز سب سے اہم اسلامی فریضہ ہے، امام مسلم نے سب سے پہلے مسئلہ اسناد کو پیش کیا ہے اس لئے کہ حدیث میں صحیح وسقیم کا امتیاز اسناد ہی سے ہوسکتا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، امام ترمذی و ابوداود نے "کتاب الطہارۃ" اور مسائل وضو سے کتاب کا آغاز فرمایا ہے اس لئے کہ دین کی سب سے اہم عبادت نماز ہے جو وضو پر موقوف ہے، امام ابن ماجہ نے اتباع سنت سے کتاب کی ابتدا کی ہے اس کے بعد مناقب صحابہ کا ذکر فرمایا جن کے ذریعہ دین ہم تک پہونچا ہے، لیکن امام بخاری نے اس سب کے برخلاف اپنی کتاب کا آغاز وحی سے کیا ہے اس میں امام بخاری منفرد ہیں کیونکہ جب تک وحی کی عظمت سامنے نہ آئے اس وقت تک کسی چیز پر اعتماد نہیں ہوسکتا ہے۔

باب کیف کان بدأ الوحی:-

باب یہاں اس سے پہلے مبتدا محذوف ماننا پڑے گا یعنی ہذا باب یا خبر محذوف ماننا پڑے گا، باب کو بالتنوین بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر تنوین اضافت کے ساتھ بھی، ان دونوں صورتوں میں خبر ہوگی یا مبتدا، تیسری صورت بالوقف علی سبیل التعداد ہے فلا اعراب لہ علامہ نووی کہتے ہیں کہ باب کے بعد سوال محذوف ہے، یعنی باب سوال کیف کان بدأ الوحی گویا آگے اس سوال کا جواب آرہا ہے، لیکن یہاں یہ اشکال پیدا ہورہا ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ "کیف کان بدأ الوحی" قائم کیا ہے، یعنی وحی کے آغاز کی کیا کیفیت تھی، لیکن کیفیت کا ذکر اس باب کی احادیث میں صرف ایک ہی حدیث میں آیا ہے، بقیہ احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس لئے علامہ اسماعیلی اور دیگر محدثین نے اس پر انتقاد کیا ہے کہ احادیث ذیل ترجمہ سے مربوط نہیں، کیونکہ احادیث میں بدایت کا کہیں ذکر نہیں ہے، اس بنا پر ترجمہ کے الفاظ "کیف کان بدأ الوحی" کے بجائے "کیف کان الوحی" ہونا چاہئے تھا، اس اشکال کا ہمارے مشائخ وعلماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) ہمارے حضرت شیخؒ کی تحقیق یہ ہے کہ بخاری میں تین تراجم اصالۃ کیف کان سے قائم کئے گئے ہیں اور ان میں کہیں بھی کیفیت کا ذکر نہیں ہے، غور وفکر کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مقصود بھی کیفیت کا اثبات نہیں بلکہ وہ علماء کے اختلاف یا روایات کے اختلاف جو ان امور کی کیفیت کے بارے میں ہے اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یا اس پر تنبیہ کرتے ہیں۔

مثلاً امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا "کیف کان بدأ الحیض کان بدأ الخلق اور کیف کان بدأ الاذان" وغیرھا، ان تمام جگہوں پر اگر آپ کیفیت تلاش کرنے جائیں گے تو حدیث وترجمہ کی مطابقت میں بہت دشواری ہوگی، اس لئے ان کی تحقیق میں کیف سے کیفیت مراد نہیں، کیونکہ کیف سے جس طرح کیفیت کا سوال ہوتا ہے اسی طرح کسی چیز کے وجود میں آنے کا سبب بھی پوچھا جاتا ہے، جیسے "کیف حدث ھذا الامر" یعنی یہ کیسے ہوگیا، کیا سبب ہوا؟ اسی بات کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی اپنے تراجم میں اشارہ فرمایا ہے کہ کیف سے مقصود تنبیہ ہے، اس سے وحی کی عظمت و اہمیت کو بیان کرنا ہے، جیسے "کیف کان بدأ الحیض" میں یہ اختلاف ہے کہ حیض کوئی عقاب تھا یا اس میں کوئی مصلحت تھی، اسی طرح "کیف کان بدأ الأذان" میں اذان کے مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے اس پر امام بخاری نے تنبیہ کی ہے، بہر حال اس ترجمہ سے التزامی معنی مراد لے کر یہ کہا جائے گا کہ یہاں وحی کی عظمت کو بیان کرنا مطلوب ہے جس کا تعلق اخلاص نیت سے ہے، یعنی نبی کریم ﷺ پر وحی آنے کا سبب آپ ﷺ کا اخلاص نیت کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہونا ہے جس پر کوئی دوسرا پہونچ نہیں سکتا، اور آپ ہی کی ذات گرامی سزاوار تھی کہ اس پر وحی نازل ہو، اس سے وحی اور موحی الیہ دونوں کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔

(۲) اگر کیف سے کیفیت ہی مراد لی جائے تو ممکن ہے کہ امام بخاری کی غرض اس ترجمۃ الباب سے ابتدا وحی کی کیفیت اور ابتدا نزول میں جو احوال وکیفیات پیش آتے تھے ان کی طرف اشارہ مقصود ہے، اور یہ زمانہ صلح حدیبیہ تک ممتد ہے، اور بدأ سے مراد ابتداء زمانہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں "بدأ الاسلام غریبا" یہ محمد ہوگا بدأ اسلام سے لے کر فیما بعد تک یعنی جب تک اسلام غربت میں رہا۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں بدأ الوحی میں اضافت بیانیہ مان لیا جائے تو بدا اور وحی ایک ہی چیز ہوجائیں گی، اور عبارت اس طرح ہوگی "کیف کان بدأ الأمر ھو الوحی" اس صورت میں معنی ہوں گے "کیف کان الوحی إلی رسول اللہ ﷺ" امام بخاری کے بدأ سے تعبیر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ دین اور امر نبوت کی بدایت ہی وحی سے ہوتی ہے اس لئے وحی ہی کو بدأ سے تعبیر کیا، چنانچہ بدأ درمیان سے نکل گیا تو اب یہاں امام بخاری کا مقصد وحی کا مقصد واہمیت بیان کرنا ہے۔

(۴) علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہاں اضافت بیانیہ مان کر یہ معنی لیا جاسکتا ہے کہ وحی سے مراد احادیث رسول ہے اور بدأ سے مراد مبدا لیا جائے اور مبدأ الوحی اللہ تعالی کی ذات ہے یعنی احادیث ہم تک کس طرح پہونچیں، روایات نے بتادیا کہ فرشتوں نے وحی اللہ کی طرف سے لے کر حضور ﷺ تک پہونچایا، اس میں وحی، واسطہ، موحی الیہ ان تینوں کی عظمت کا بیان آگیا۔

(۵) "فیض الباری" میں علامہ کشمیری نے ایک اور بات کہی ہے، انہوں نے فرمایا کہ بدأ کے بجائے بعض نسخوں میں بدو الوحی ہے یعنی وحی عدم سے کیسے وجود میں آئی، جیسے ہدایت نہایت کے مقابلے میں آتا ہے اسی طرح یہ عدم کے مقابلے میں بھی آتا ہے قرآن میں ہے "کما بدأنا اول خلق نعیدہ" اس آیت میں ہدایت نہایت کے مقابلے میں نہیں بلکہ اسے عدم سے وجود میں

لانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ جو آدم سے عیسیٰ تک چلا آرہا تھا اور پھر اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا، اس کے بعد کس طرح حضور ﷺ پر وحی کا ظہور ہوا، بدأ الوحی اور بدو الوحی دونوں نسخوں کا مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ یہ وحی اپنے تمام متعلقات کے ساتھ اس عالم میں کس طرح پہونچی، اس کا مقصد وحی کے جز اول کی وجہ کو ہی بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ وحی اپنی تمام متعلقات پر حاوی و شامل رہے گی اور تمام چیزیں اس کے تحت آئیں گی اور جہاں جہاں امام بخاری نے ''کیف بدأ'' کا ترجمہ قائم کیا ہے وہاں صرف ابتداء احوال ہی کو نہیں بیان کیا گیا بلکہ پورے موضوع کا احاطہ کیا ہے، جیسا کہ اذان اور حیض کے ترجمہ میں ہے اول بدأ لا کر کے بعد والے لفظ میں اس کے تمام متعلقات مسائل بیان کئے ہیں ہر جگہ پہلے مجموعہ کا اعتبار فرما کر اس کی طرف بدأ کی اضافت کرتے ہیں اس صورت میں یہ اضافت بیانیہ نہیں ہوگی۔

بدو الوحی کے نسخے کی حافظ ابن حجر نے تغلیط کی ہے لیکن علامہ عینی کو اس کی صحت پر اصرار ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

قول اللہ عزوجل: إنا أوحينا الآية:-

امام بخاری نے اس آیت کو تیسرا نیز وحی کی عظمت کے اثبات کے لئے یہاں پر ذکر فرمایا ہے، نیز صاحب وحی کی عظمت بھی بیان کرنی ہے، یہ کوئی مستقل ترجمہ نہیں ہے بلکہ ترجمہ کا جزء ہے، جس کو تاکید کے لئے بڑھا دیا گیا ہے، آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود کے کہنے سے یا یہود نے از خود سوال کیا کہ اگر آپ ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں تو جس طرح موسیٰ کو کتاب دے کر مبعوث کیا گیا تھا اسی طرح آپ ﷺ پر بھی مکمل کتاب کو نازل ہونا چاہئے تھا، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، کہ ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوح کے پاس بھیجی تھی، اور ان کے بعد اور پیغمبروں پر ''إنا'' خود ہی تاکید ہے اس کے بعد صیغہ جمع کا استعمال ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس شان عظمت سے وحی نازل کی، إنی أوحیت نہیں فرمایا اس میں اس درجہ عظمت نہیں ہے اور اسی میں آگے فرمایا ہے ''وآتینا داود زبورا'' ہم نے داود کو زبور عطا کیا اس سے معلوم ہوتا کہ وحی کی ایک قسم ایتاء کتاب بھی ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا ''وکلم اللہ موسیٰ تکلیما'' موسیٰ سے خاص طور پر اللہ نے کلام فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ وحی ایتاء کتاب پر ہی منحصر نہیں ہے، چنانچہ موسیٰ کے بارے میں ایتاء کتاب کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ کلام کا ذکر فرمایا، کلام ایک وقتی چیز تھا جو ختم ہوگیا، مگر نبی اکرم ﷺ پر کلام کا سلسلہ تیئس سال تک جاری رہا اس سے معلوم ہوا کہ وحی کلامی کا درجہ اعلیٰ و افضل ہے۔

تشبیہ وحی میں نوحؑ کی تخصیص کی وجہ:-

آیت کریمہ ''إنا اوحینا الآیۃ'' جس سے نوحؑ سے قبل کے انبیاء حضرت آدم حضرت شیث حضرت ادریس وغیرھم نکل جاتے ہیں، وحی کا سلسلہ ان تمام انبیاء پر تھا لیکن اس تشبیہ میں تخصیص کیوں فرمائی؟ حافظ ابن حجر نے علماء کے دو اقوال نقل فرمائے ہیں، ایک یہ کہ حضرت نوحؑ سب سے پہلے رسول ہیں دوسرے یہ کہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ چونکہ سب سے پہلے عذاب حضرت نوحؑ کی قوم پر نازل کیا گیا تھا اس لئے نوحؑ سے تشبیہ دے کر ڈرانا مقصود ہے کہ دیکھو یہ وحی اسی قسم کی ہے کہ اس کی تکذیب پر عذاب آسکتا ہے، لیکن علامہ عینی نے ان دونوں رایوں پر نقد کیا ہے کہ نوحؑ کو پہلا رسول کہنا درست نہیں ہے پہلے رسول تو آدمؑ ہیں اور دوسرے پر نقد یہ ہے کہ اس سے قبل قوموں پر بھی عذاب نازل کیا گیا ہے، لیکن علامہ عینی کے دونوں انتقادات محل نظر ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت آدمؑ و شیثؑ بھی رسول تھے؟ حضرت شیثؑ کا قرآن میں ذکر نہیں گرچہ ان کی پیغمبری مسلم ہے لیکن کیا رسول تھے اس میں کلام ہے، رسول کے لئے صاحب کتاب ہونا ضروری ہے جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے، نوحؑ کے پہلے رسول ہونے کی دلیل بخاری کی روایت ہے کہ قیامت کے دن جب امتیں شافع کی تلاش میں نکلیں گی اور وہ جب اخیر میں نوح کے پاس پہونچیں گی تو ان سے ان الفاظ میں درخواست کریں گی ''أنت أول الرسل إلى اهل الأرض وسماك الله عبدا شكورا'' اور یہ کہنا کہ حضرت شیث کی امت پر بھی عذاب آچکا تھا محل نظر ہے اس لئے کہ حضرت شیثؑ کو حضرت آدمؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد قابیل کو سزائے قتل دینا، تو یہ معاملہ شخصی تھا نہ کہ قومی، علامہ عینی نے اخیر میں یہ فرمایا کہ زیادہ اچھا یہ ہے کہ تشبیہ کی وجہ یہ ہو کہ نوح آدم ثانی تھے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر نوح آدم ثانی تھے تو آدم کو ابوت حقیقی اور تقدم زمانی دونوں باتیں حاصل ہیں، تو اس سے بہتر بات یہ کہی جائے کہ اولوالعزم پیغمبروں میں سب سے اول پیغمبر حضرت نوحؑ ہیں۔

تشبیہ کی ایک وجہ یہ بھی ممکن ہے جیسا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ آدمؑ سے نوحؑ تک کا زمانہ طفولیت کا تھا، آدم کے لئے آسمان سے بیج آتے، کاشتکاری کے اصول سکھائے جاتے، وحی کا بیشتر حصہ تکوینات اور تعمیر عالم سے متعلق تھا، اور یہی حال حضرت شیثؑ و حضرت ادریسؑ کا تھا، اور نوحؑ سے لے کر حضور ﷺ کا زمانہ دور شباب ہے، جس میں بہت سے احکام نوحؑ اور دیگر انبیاء پر نازل کئے گئے تو نوح سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ اور حضرت نوحؑ کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں ہے بلکہ دونوں کی شان تشریعی ہے، وہاں تکذیب کا جو ردعمل ہوا ہے وہ یہاں بھی ہوسکتا ہے۔

پھر یہ تشبیہ وحی کے جمیع انواع میں دی گئی ہے خواہ وحی منامی ہو یا تکلم من وراء حجاب ہو، خواہ اس کے علاوہ دیگر انواع ہوں، نیز اس میں یہ بھی بیان کرنا ہے کہ یہ وحی وہ نہیں ہے جو غیر نبی کی طرف بھیجی گئی ہے جیسے قرآن میں ہے ''وأوحى ربك إلى النحل'' یہ وحی الہام کے معنی میں ہے اور جب وحی کی نسبت نبی کی طرف ہوگی تو اس سے مراد کلام اللہ المنزل علی نبی من الانبیاء ہوگی، حاشیہ میں وحی کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں لیکن

چوتھی قسم وحی منامی کا ذکر نہیں ہے اس کا اضافہ کردیا جائے اس طرح وحی کی چار قسمیں ہیں، یہی ہمارے حضرت شیخؒ کی رائے ہے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان..الخ-

امام بخاری نے حمیدی کی روایت سے کتاب کا آغاز فرمایا، کیونکہ یہ قریشی ہیں ان کا سلسلہ نسب حضور ﷺ اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے ملتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''قدموا قریشا'' دوسری روایت امام مالک سے بیان فرمائی تو گویا جس طرح اسلام کا آغاز مکہ سے ہوا اور مدینہ سے اس کو ترقی کا موقع ملا اسی طرح امام بخاری نے سلسلہ حدیث مکہ سے شروع فرما کر مدینہ تک پہونچا دیا، اور آگے سند میں یحییٰ بن سعید انصاری ہیں، ان کی یہ حدیث ان سے نیچے آکر مشہور ہوگئی ہے، یحییٰ سے روایت کرنے والے بعض کے یہاں ڈھائی سو اور بعض کے یہاں تین سو اور بعض کے یہاں سات سو ہیں، لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ سو سے زیادہ کا ہمیں علم نہ ہوسکا اس لئے اوپر کے اقوال میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔

سمعت عمر بن الخطاب علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول إنما الاعمال بالنیات..الخ:-

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں سات مرتبہ ذکر فرمایا ہر جگہ اس سے کوئی نیا مسئلہ مستنبط فرماتے ہیں چھ جگہ تو پوری حدیث لائے ہیں اور یہاں شروع کتاب میں فمن کانت ہجرتہ الی اللہ فہجرتہ الی اللہ کا جملہ حذف فرمادیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں تواضع سے کام لیا ہے، جس جملہ کو حذف فرمایا ہے اس سے اپنا تزکیہ نکلتا تھا، اور جو جملہ باقی رکھا ہے اس کو لاکر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ میری نیت اللہ کی رضا ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ نے حضرت شیخؒ کے سامنے یہ اشکال پیش فرمایا کہ امام بخاری کے لئے مناسب یہ تھا کہ شروع کتاب میں پوری روایت نقل کرتے اور بعد میں کہیں اختصار کرتے، لیکن یہاں پر اختصار کرنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی؟ حضرت شیخؒ نے اس کا جواب یہ عنایت فرمایا کہ دفع مضرت اہم ہے جلب منفعت سے، امام بخاری شروع کتاب میں تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ جو بھی میری کتاب سے استفادہ کرنے والا ہو وہ فسادنیت سے احتراز کرے اور اس کے سامنے اللہ کی رضا ہو۔

امام بخاری کے اخلاص کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد فربری کے بیان کے مطابق نوے ہزار تک پہونچتی ہے جنہوں نے اس کتاب کا سماع ان سے حاصل کیا ہے، امام صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جس شہر میں جاتے لوگ ٹوٹے پڑتے نیشاپور جب پہونچے تو ان کے استقبال کے لئے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے چار ہزار گھوڑ سوار شہر کے باہر موجود تھے، اور پیادہ پا لوگوں کی تعداد بیشمار تھی، اس لئے اس عظیم الشان کتاب سے استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ ادب ہو، حضرت محدث شاہ عبدالعزیز دہلوی بخاری شریف پڑھا رہے تھے، ایک طالب علم نے شاہ صاحب کے سامنے دوران درس بے ادبی کی اس کا حشر یہ ہوا کہ ملحد ہوکر مرا، ٹکمکتہ کے قریب اس کا قیام تھا، جب حضرت سید احمد شہیدؒ کا قافلہ ٹکمکتہ پہونچا، لوگوں نے درخواست کی کہ اس سے مناظرہ کیا جائے، شاہ اسماعیل شہیدؒ نے فرمایا کہ کوئی فائدہ نہ ہوگا کیوں کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی بددعا لگ گئی ہے، بے ادبی کا اثر ہے اس لئے بھائی استاذ اور کتاب دونوں کا ادب ضروری ہے۔

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

الغرض امام بخاری ہم کو تنبیہ کررہے ہیں کہ میری کتاب کے آغاز کے وقت نیت کو صحیح کرلینا ضروری ہے پڑھنا پڑھانا صرف اللہ کی رضا کے لئے، حصول دنیا کے لئے نہ ہو، آدمی کے مقدر میں ہے وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آئے گا، جو مال کے پیچھے دوڑتے ہیں تو دوڑنے سے مال نہیں آئے گا، ہمارے بہت سے ذہین نوجوان جو مدارس سے فارغ ہورہے ہیں، وہ اپنے طور پر اپنے کو معاشی اعتبار سے پریشان سمجھ رہے ہیں، جب ہم اخلاص کے ساتھ اللہ کا کام کریں گے، حضور ﷺ کے دربار میں بیٹھیں گے تو کیا ہم بھوکے رہیں گے؟ ہماری روزی کا انتظام نہ ہوگا؟ اور اگر کوئی ایسا سمجھ رہا ہے تو اس کو ادب مع الرسول حاصل نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب ''فیوض الحرمین'' میں اپنا ایک مکاشفہ لکھا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی جانب متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک سے مشتغل بالحدیث کے قلب تک ایک نہایت نورانی دھاگا جارہا ہے، اس لئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اے میری کتاب کے دیکھنے والے تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اشتغال بالحدیث رکھے تاکہ وہ نورانی دھاگا تیرے ساتھ بھی قائم ہوجائے، خواہ درس و تدریس کی راہ سے یا تصنیف و تالیف کے ذریعہ یا مطالعہ کرکے، بہرحال اس کی طرف توجہ زیادہ کرنی چاہئے، بلاشبہ یہ کشف ہے حجت تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن شاہ صاحب کا مقام پیش نظر رہے۔ نیز حدیث سے بھی اس کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

انما الأعمال بالنیات:-

حضور ﷺ نے انما الاعمال فرمایا، انما الافعال کیوں نہیں فرمایا؟ اس میں کیا نکتہ ہے؟ عمل و فعل کے درمیان کیا فرق ہے؟ فعل کا زمانہ بہت ہی معمولی ہوتا ہے اور جو کم زمانہ ہوتا ہے، جیسے فرمایا ''الم تر کیف فعل ربك..الخ'' اور فرمایا ''الذین آمنوا وعملوا الصالحات'' تو جو چیز بہت تھوڑے سے وقت میں ہوتی ہے اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے نیت کے لئے دوام و استمرار چاہئے اس لئے ''انما الاعمال'' فرمایا اور اعمال سے مراد اعمال مکلفین ہیں یعنی جو بالغ ہیں اور شریعت کے مکلف ہیں، ابن بطال کا دعویٰ ہے کہ جو حدیث رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدینہ منورہ کی آمد پر ارشاد فرمایا یعنی یہ وہ پہلا خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دیا حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال کیا ہے کہ ابن بطال نے اس کی کوئی

دلیل نہیں پیش کی بغیر دلیل کے کوئی بات نہیں مانی جائے گی، بلاشبہ یہ حدیث رسول ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ خطبہ اول ہے بلادلیل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ام قیس نامی عورت کو پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے منظور کرلیا لیکن شرط لگائی کہ ہجرت کرنی ہوگی، چنانچہ انہوں نے ہجرت بھی کرلی اور نکاح بھی ہوا اور مہاجر ام قیس کے نام سے مشہور ہوئے۔

حدیث وترجمہ کا ربط:-

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کیا تعلق ہے۔

(۱) بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن امام بخاری اس حدیث کو پیش کر کے دعوت اخلاص دے رہے ہیں، اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی، حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال کیا ہے کہ اگر یہی مقصد تھا تو اس حدیث کو ترجمہ سے پہلے آنا چاہئے۔

(۲) حافظ ابن حجر نے ابن منیر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں ہجرت پر بحث کی گئی ہے اس لئے ہجرت و وحی میں مناسبت نکالی جائے تو ترجمہ و حدیث میں مطابقت ہوسکتی ہے، ہجرت کے معنی چھوڑنے کے ہیں ایک ہجرت معصیت کو چھوڑ کر طاعت کی طرف آنا ہے اور دوسری ہجرت دارالکفر چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا، ابن منیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں گھر سے غار حرا تک جانا، جس کا سلسلہ کم وبیش چھ ماہ تک رہا یہ نزول وحی کا مقدمہ ہے، اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک ہجرت کرنا یہ ظہور اسلام کے لئے مقدمہ ہے، تو جس طرح سے پہلی ہجرت نزول وحی کے لئے مبدا ہے دوسری ہجرت ظہور اسلام کے لئے مبدا ہے۔

(۳) جیسا کہ میں اس سے پہلے اشارہ کرچکا ہوں کہ ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کا مقصد وحی الٰہی کی عظمت کو بیان کرنا ہے آپ ﷺ اخلاص کے جس مقام پر فائز تھے آپ ﷺ ہی پر یہ وحی آسکتی تھی۔

(۴) ''فیض الباری'' میں علامہ کشمیری نے فرمایا کہ وحی ونیت، عمل کے دونوں جانبوں میں واقع ہے عمل کا تعلق وحی سے بھی ہے اور عامل کی نیت سے بھی کیوں کہ عمل کی دو حیثیتیں ہیں ایک ورود عمل ایک صدور عمل، ورود عمل، یعنی اوامر ونواہی کے تحت عامل کا مکلف ہونا یہ وحی پر موقوف ہے، صدور عمل، اس تکلیف کے تحت عامل کا عمل کرنا یہ نیت پر موقوف ہے۔

تو جس طرح وحی ورود عمل کا مبدا ہے نیت صدور عمل کا مبدا ہے تو عمل صالح کرنے کے لئے کوئی شخص وحی کے بغیر اعمال صالحہ کو معلوم نہیں کرسکتا ہے اور نیت کے بغیر اس کے اعمال کا اعتبار نہیں ہے۔

ایک اصولی بحث:-

''انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی'' یہاں انما حرف حصر ہے شوافع نے صحت الاعمال کی تقدیر مانی ہے اور احناف نے ثواب الاعمال کی، حنفیہ وشافعیہ کے درمیان صرف وضو میں نیت کے شرط ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور حنفیہ کا کہنا ہے کہ نیت اعمال مقصودہ میں شرط ہے اور اعمال غیر مقصودہ جس میں وضو بھی ہے شرط نہیں ہے لیکن اگر نیت کرلیں تو ثواب ہوگا اس لئے یہاں ثواب الاعمال مقدر ہے، صحت الاعمال ماننے میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کا سبب ورود جو بیان کیا گیا ہے وہ مہاجر ام قیس نے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تھی اور ہجرت کے بعد انہوں نے نکاح بھی کرلیا، تو اگر ان کی ہجرت صحیح نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کو مکہ مکرمہ واپس فرمادیتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ صحت الاعمال کی تقدیر مناسب نہیں، اس لئے احناف نے ثواب الاعمال کی تقدیر نکالی ہے، یا کہا ہے کہ انما الاعمال تعتبر او معتبرۃ تاکہ عبادات اور اس کے جو شرائط ہیں انہیں اور شریعت میں جو امور مباح ہیں ان سب کو یہ حدیث حاوی ہوجائے، اس کی تفصیل مشکوٰۃ شریف کے درس میں بیان کی جاتی ہے، علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہاں اس حدیث کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک نیت صحیحہ اور ایک فاسدہ، دونوں کے آثار بالکل مختلف ہیں، اگر نیت خیر کے ساتھ کی جائے تو اس میں برکت ہوگی لیکن اگر عمل میں خیر کی نیت نہیں ہے تو یہ ایک ایسا عمل ہوگا جس میں نہ خیر ہے نہ برکت اور اللہ کے یہاں مردود ہوگا، رہ گیا احناف وشوافع کا جو اختلاف ذکر کیا جاتا ہے اس کے لئے دیگر دلائل ہیں۔

وانما لکل امرئ مانوی:-

یا تو جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے، یا مقصود یہ ہے کہ ایک کام میں جس قدر نیتیں ہوں گی اسی قدر ثواب ملے گا اس لئے اگر ایک عمل میں دس نیت خیر شامل ہوجائے تو دس نیتوں کا ثواب الگ الگ ملے گا مثلاً نماز کے لئے مسجد جانے میں اعتکاف کی نیت ہو انتظار صلوٰۃ کی نیت ہو، صلحاء سے ملاقات کی نیت ہو، وغیر ذلک ان سب کا الگ الگ ثواب ملے گا۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں، انما لکل امری مانوی جملۂ تجربیہ ہے جس کو بطور اصول مسلمہ کے پیش کیا گیا ہے، انما الاعمال بالنیات ایک مسلم اصول ہے، انما لامرامانوی اس کا نتیجہ ہے یعنی اعمال کا خیر وشر ہونا اس پر ثواب وعقاب کا مرتب ہونا یہ سب نیت پر موقوف ہے عامل کے قصد کا اس میں بڑا دخل ہے۔

اس کی تفصیلی بحث مشکوٰۃ شریف کے درس میں بیان کی جاتی ہے اس مختصر وقت میں اسی پر اکتفا کررہا ہوں۔

❁❁❁

فکر ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت مولانا علی میاںؒ کا

طریقۂ اصلاحِ ملک وملت

مولانا محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہشت پہل شخصیت کے مالک تھے، ان میں سے ہر پہلو ان کی عملی زندگی میں نمایاں طریقہ سے دیکھا جاسکتا تھا، ان پہلوؤں کے تعلق سے حضرت مولاناؒ نے انسانیت اور اسلامیت کے دائرہ میں اجتماعی زندگی کے مختلف تقاضوں کو پورا کرنے کی ماہرانہ کوشش کی، اور اثر ڈالا، ان کے یہ پہلو ایسے پہلو تھے کہ ان میں سے ایک یا دو پہلو بھی اگر کسی شخصیت میں جمع ہوجائیں تو وہ شخصیت نمایاں شخصیت بن جاتی ہے۔ دراصل مولانا کا تاریخ اسلامی کا جو مطالعہ تھا وہ صرف سیاسی تاریخ کے دائرہ تک محدود نہ تھا، بلکہ تاریخ کے فکری، ثقافتی، مذہبی اور دعوتی پہلوؤں تک پھیلا ہوا مطالعہ تھا، مولانا نے اپنے اسی تاریخی مطالعہ کی روشنی میں اپنے متعدد المذاہب ملک اور اس کی وقیع اقلیت ملت اسلامیہ کے حالات اور تقاضوں کو بھی دیکھا، اور بحیثیت ایک دردمند مسلمان کے جو اسلامی تعلیمات کی رو سے حالات کو سنوارنے اور راہ حق کی رہنمائی کرنے کی ذمہ داری سمجھتا ہو، اپنے کو اپنی فکری وعملی پہونچ تک ملک وملت کے حالات کو درست کرنے کی کوشش میں لگایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے خاندان اور ایسے ماحول میں پیدا فرمایا تھا جس سے اس ذمہ داری کے ان کے احساس کو مہمیز ملی تھی، اور اس ماحول سے ان کو مزید یہ فائدہ ہوا تھا کہ قلم وزبان کو مؤثر اور مفید ڈھنگ سے استعمال کرنے کا ان میں اچھا سلیقہ پیدا ہوا، جس سے مولانا نے فائدہ اٹھایا، اور بڑی بات یہ تھی کہ اس میں انہوں نے حکمت کا طریقہ اختیار کیا جس کی تاکید قرآن مجید سے حاصل ہوتی ہے کہ

﴿ ادع إلى سبيل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة ، و جادلهم بالتي هي أحسن ﴾ (سورہ النحل: ۱۲۵) اس طریقۂ کار کو اختیار کرتے ہوئے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرنے کی فکر مولانا نے اپنی ہشت پہل شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں کی، یہ پہلو تعلیم و تربیت، دعوت وارشاد، تہذیب واخلاق، تحفظ شریعت، پیام انسانیت اور اصلاح ملک وملت ہیں، ان پہلوؤں میں سے آخری پہلو جو اصلاح ملک و ملت کا ہے وہ ایک طریقہ سے ایک نیا اور نازک پہلو ہے، وہ ایک طرف ملک وملت کے نظام سے ربط رکھتا ہے، دوسری طرف عوام اور فرزندان وطن کی مصلحت اور ان کی سلامتی کے تقاضوں سے تعلق رکھتا ہے، جس کو عام طور پر سیاسی اور پارٹی بندی کا مزاج رکھنے والے لوگ ٹکراؤ اور تحریکی انداز میں اختیار کرتے ہیں، جس سے اس کی صورت ایک مجادلہ اور مقابلہ کی سی بن جاتی ہے، حضرت مولاناؒ نے اس سلسلہ میں اپنے کو اس مروجہ ٹکراؤ والے طریقۂ کار سے الگ رکھا، اور اپنے کو ایک غیر سیاسی انسان، اور پارٹی کے لحاظ سے غیر جانبدار فرد ورہنما کی حیثیت سے پیش کیا، اس میں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریقہ کو اختیار کیا، اور تقریباً ان ہی کے طریقہ کو اس سلسلہ میں اپنی جدو جہد کے لئے چراغ راہ بنایا۔

حضرت مولاناؒ نے اس طریقہ کو سنت نبوی سے ہی ماخوذ طریقہ سمجھا، جس کی رو سے حضور ﷺ نے انسانوں کی ہمدردی اور ان کو راہ حق پر لانے کے لئے نہایت خوش اخلاقی، تحمل اور طریقۂ حکمت اختیار فرمانے کی مثال قائم کی، آپؐ ایک موقع پر ایک سفر سے واپسی میں ایک صحرائی علاقہ میں دوپہر کے وقت آرام کے لئے ایک درخت کے نیچے لیٹے تھے، اور آپؐ کے دوسرے رفقاء درختوں کے نیچے منتشر طریقہ سے لیٹے تھے، حضور ﷺ نے اپنی تلوار اپنے اوپر ہی ایک شاخ میں لٹکادی تھی، آپ کی آنکھ ایک شخص کے مخاطب کرنے سے کھلی جس نے آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی، اس نے آپؐ سے کہا: اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے پورے یقین و جزم کے ساتھ فرمایا: ''اللہ'' اس یقین وجزم کا یہ اثر پڑا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، آپؐ نے فوراً اٹھالی اور فرمایا: اب تم کو کون بچائے گا؟ اس نے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا اور درخواست کرنے لگا کہ آپؐ معافی اور اخلاق کا رویہ اختیار فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ اسلام قبول کرتے ہو؟ اس نے کہا: یہ تو نہیں کرتا، لیکن آپؐ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کروں گا، آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا، اور اسے نہ اسلام لانے پر مجبور کیا اور نہ کوئی سزا دی، اسی طرح نہ معلوم کتنے مکہ والوں سے آپؐ نے حق کی بات کہی اور ان کے قبول نہ کرنے اور سخت رویہ اختیار کرنے کے باوجود ان سے کوئی برہمی نہیں اختیار فرمائی، حضرت مولاناؒ نے اپنے سامنے یہ اسوہ رکھتے ہوئے مجدد الف ثانیؒ کا طریقہ اختیار کیا جو اسی ملک میں انہوں نے برتا تھا، جس میں مولاناؒ رہ رہے تھے، وہ یہ کہ اکبر بادشاہ جو ہندوستان کا بڑا

وسیع المملکت بادشاہ تھا، اسلامی عقائد واعمال سے برگشتہ ہوکر غیر اسلامی طریقوں کو رائج کررہا تھا، اور ایک نئے مذہب کا دعویدار ہورہا تھا، جس کے سبب اس ملک میں مسلمانوں کا اسلامی مستقبل بہت خطرہ میں پڑگیا تھا، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے چیلنج کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے تفہیم وتشریح اور اخلاق وہمدردی کا طریقہ اختیار کیا، خود اکبر بادشاہ کی صورت حال ایسی تھی کہ اس سے کچھ کہنا قابل عمل نہ تھا، اس لئے انہوں نے اس کے اہم درباریوں اور مشیروں کو اپنی بات کا مخاطب بنایا، اور ان کو متوجہ کیا کہ وہ موقع ومحل کے لحاظ سے مناسب مشورہ اور توجہ دہانی سے کام لیں، اور اس سلسلہ میں ان مشیروں اور بادشاہ کے مصاحبوں کو بڑے درد مندانہ خطوط لکھنے کا سلسلہ قائم کیا جس کا اثر بتدریج پڑتا گیا، اور اکبر کے جانشیں کا دور آتے آتے اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، اور جہانگیر بادشاہ کے رجحانات اپنے باپ کے رجحانات سے مختلف ہوگئے، پھر ان کے بیٹے شاہجہاں کے رجحانات اور بھی بہتر ہوئے، اور ان کے بیٹے اورنگ زیب عالمگیر تو گویا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کوششوں اور توقعات کا پورا نتیجہ تھے۔ حضرت مولاناؒ نے حضرت مجددؒ کے اس طرز عمل کو اپنے عہد کے مطابق اختیار کیا، چنانچہ ہندوستان میں اور ممالک اسلامیہ میں مولاناؒ نے مختلف حکمرانوں اور بادشاہوں کو بڑے نصیحت آمیز خطوط لکھے، اور ملاقاتیں کیں، جن میں بڑی حکمت اور ہمدردی کے انداز سے ملک میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی، جو حکمراں ہندوستان کے تھے ان کو ملک کی خرابیوں کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے حقوق اور شریعت کے تحفظ کی طرف بھی توجہ دلاتے، چنانچہ مسز اندرا گاندھی کے زمانہ میں جب انہوں نے ایمرجنسی نافذ کی جس میں ان سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی، اور اس کے تحت جو ظلم ہورہا تھا اس کو روکنے کے لئے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا، مولاناؒ ان سے جاکر ملے، اور پورے استغناء اور مضبوط انداز کے ساتھ ان کو غلط طرز عمل کو ترک کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور جب ان کے بیٹے وزیر اعظم ہوئے، اور مطلقہ کے مسئلہ شریعت میں ایک عدالتی حکم کے تحت مداخلت کا خطرہ ہوا تو مولانا نے اپنے رفیق قیادت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے ساتھ ان سے بار بار ملکر بہت ناصحانہ انداز میں مخالف شریعت اقدام کو بدلنے کی طرف توجہ دلائی، جس کے نتیجہ میں یہ اثر پڑا کہ اس قانون کو وزیر اعظم نے پارلیمنٹ سے تبدیل کرایا، جس پر مولاناؒ کی حکمت عملی کی لوگوں کو قدر ہوئی، حضرت مولانا نے اس کے بعد بھی ملک میں جو حکمراں ہوئے ان سب کو وقت اور حالات کے مطابق ناصحانہ خطوط لکھے، اور ملاقاتیں کیں، جس کا بڑا فائدہ ہوا، بابری مسجد کے سلسلہ میں وی پی سنگھ نے بحیثیت وزیر اعظم کے مولاناؒ کی رائے کو اختیار کرنے کی کوشش کی، اور یوپی میں صوبائی حکومت نے وندے ماترم کی پابندی لگائی تو مولاناؒ کی مخالفت کا حکومت نے بڑا اثر لیا، اور وہ پابندی ختم کردی، دیوی گوڑا جب وزیر اعظم ہوئے تو مولانا سے ملنے آئے ان کو بھی مولاناؒ نے ملک کو بہتر بنانے اور اقلیت کے ساتھ انصاف کرنے کی تلقین کی، نرسمہا راؤ جب وزیر اعظم بنے تو ان کو بھی مولانا نے ملک کی اخلاقیات اور سماجی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دلائی جس کی ضرورت کو انہوں نے تسلیم کیا۔

اٹل بہاری واجپائی جب وزیر اعظم ہوئے اور مولانا سے ملنے کے لئے آئے جس کا مقصد عیادت تھا تو ان کو بھی مولانا نے ملک کی فکر کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور وہ اس سے متاثر ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا ناصحانہ انداز، اور مسائل کا ایسا انتخاب اور تشریح ہوتی تھی کہ سننے والا مولاناؒ کو مخلص اور ملک وقوم کا ہمدرد سمجھتا تھا، اس لئے سبھی مولانا سے متعلق اچھا تصور رکھتے تھے، اگرچہ مولانا اپنے دینی وملی خیالات اور عقیدۂ وعمل میں پختگی کے لحاظ سے کوئی بات خلاف اولی نہیں کرتے تھے، اور مولاناؒ کا دوسرا طرز عمل یہ تھا کہ اپنی ذات کے لئے یا اپنے خاندان کے کسی فرد کے لئے کوئی فرمائش یا طلب تو بڑی چیز ہے ہدیہ بھی قبول نہیں کرتے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ جماعتی سیاست سے اپنے دامن کو بالکل بچاتے تھے، البتہ مشترک سیاست کی بات ہوتی تو اس کے متعلق توجہ دہانی کراتے تھے، مولاناؒ کا یہی طرز عمل عالم اسلامی کے حکمرانوں کے ساتھ رہا، ہندوستان میں تو ملک و قوم اور مسلم اقلیت کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے تھے لیکن بلاد اسلامیہ کے حکمرانوں کے سلسلہ میں دین وملت کے مسائل کو سامنے رکھتے تھے، چنانچہ سعودی عرب کے بادشاہ شاہ فیصل شہیدؒ اور ان کے بعد شاہ خالد، اور ان کے بعد شاہ فہد، اور ان سب سے پہلے شاہ سعود سب کو مولاناؒ کی نصیحتیں پہونچیں، اور خطوط وملاقاتوں کے ذریعہ مولاناؒ نے پورے استغناء اور احتیاط کے ساتھ ان کو دین کے تحفظ اور عوام کے مسائل کی طرف توجہ دلائی، اور اسلامی ممالک کے جو تقاضے ہیں ان میں صحیح طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی، سعودی عرب کے علاوہ اردن کے شاہ حسین، اور ان کے دادا شاہ عبداللہ، مراکش کے بادشاہ شاہ حسن اور دیگر متعدد ملکوں کے سربراہوں کو اپنے اپنے ملکوں کے حالات کو درست کرنے اور اسلامی تقاضوں کو اہمیت دینے اور ان کا تحفظ کرنے

کی نصیحتیں کیں، یہ نصیحتیں جن خطوط کے ذریعہ مولاناؒ نے کیں، ان کو دیکھ کر مولانا کی خوش اسلوبی اور حکمت عملی اور دور اندیشی اور مسائل کی سمجھ اور اسلوب کلام کی خوبی سامنے آتی ہے، مولانا ایک بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر انشاء پرداز اور اثر انگیز خطابت کے مالک تھے، بات کو بہت دل لگتے انداز میں لکھتے اور بیان کرتے تھے، اور جس کو نصیحت کے قابل سمجھتے تھے یا جس کو نصیحت کرنا ان کے پیش نظر ہوتا تھا، اس سے کوئی مالی منفعت خواہ ہدیہ کے طور پر ہو، قبول نہیں کرتے تھے، کہتے تھے کہ پھر ہماری نصیحت بے اثر ہوجائے گی، اور نصیحت ہمارا فریضہ ہے جس کو چھوڑنا ہم غلط سمجھتے ہیں۔

مولانا کا یہ طریقۂ کار ایسا تھا جس میں اگر مولانا کو ایک طرف حکمرانوں کے سامنے بات رکھنی ہوتی تو دوسری طرف قائدین ملت اور حکومت کے بااثر لوگوں کو بھی متوجہ کرنا ہوتا تھا، اسی کے ساتھ ساتھ مولانا رائج الوقت نظریات اور مختلف ملکوں کے اچھے برے حالات کا اچھا مطالعہ رکھتے تھے جیسا کہ ان کی کتاب ''اسلامیت ومغربیت کی کشمکش'' سے اور ان کے خطبات اور مقالات سے پتہ چلتا ہے، اور مولانا کے سفرناموں میں ان کی ملاقاتوں اور گفتگوؤں اور مشاہدات اور اظہار رائے کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے۔ مولانا نے اپنا یہ طرز عمل صرف حکمرانوں اور قائدین ملت تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ملت اسلامیہ کے افراد کو بھی مخاطب بنایا، جلسوں میں، کانفرنسوں میں مؤثر ڈھنگ سے نصیحت اور حالات کے تقاضوں کی طرف توجہ دلاتے اور نصیحت کرتے، اس کے لئے پیام انسانیت اور اصلاح معاشرہ کے عنوان سے جلسے منعقد کئے جاتے تھے۔

مولاناؒ کے فکر وعمل کا یہ پہلو ایسا پہلو تھا جس کی وجہ سے سارے اسلامی ومشرقی ممالک میں اور ایشیائی خطوں میں پڑھا لکھا طبقہ اور قائدین کا طبقہ جن میں حکمراں بھی شامل ہیں، مولانا سے نہ صرف واقف ہوگیا تھا بلکہ سب مولانا کے اخلاص کے بھی قائل ہوگئے تھے کہ وہ ایک بے غرض اور خیر خواہی کا مزاج رکھنے والے عالم دین اور رہبر ہیں، وہ سب کا بھلا چاہتے ہیں، اور اپنی بات کو ایسے اسلوب میں ادا کرتے ہیں جو دل پسند ہونے کے ساتھ غور وفکر کی دعوت دینے والا ہوتا ہے، مولانا کو اردو کے ساتھ ساتھ عربی پر بھی مادری زبان کی طرح قدرت حاصل تھی، وہ بے تکلف اور مؤثر انداز میں اپنی بات کہہ سکتے تھے، اس کے علاوہ انگریزی اور فارسی زبان سے بھی ایسی واقفیت تھی کہ ضرورت پڑنے پر اس سے بھی فائدہ اٹھالیتے تھے، اس کو میں نے خود دیکھا ہے۔

مولاناؒ نے یورپ اور امریکہ کے دانشوروں کو بھی خطاب کیا، آکسفورڈ یونیورسٹی، لندن یونیورسٹی، اور امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں میں بھی مولانا کو بات کرنے کا موقع ملا، وہاں مغربی تمدن اور عیسائی مذہب کی قدروں کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا نے اصلاح حال کی طرف توجہ دلائی، اور اسلام کی حقانیت بھی ان کے سامنے واضح کی، مولانا نے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یورپ اور امریکہ کی قوموں کی زندگی کے تقاضوں کا انداز ایسا ہے کہ اسلام ان کے لئے زیادہ بہتر حل عطا کرسکتا ہے، کیونکہ وہ دنیا اور دین دونوں کی خوبیوں کو جمع کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کی اختیار کردہ عیسائیت ترک دنیا کی دعوت دیتی ہے، جو زندگی کے سب لازمی تقاضوں کو پورا نہیں کرتی، وہ اس کو اختیار کرنے کے باوجود دنیا کے اندر پوری طرح ملوث ہوگئے ہیں، ان کو چاہئے تھا کہ اسلام کا جو ان کو دنیا سے منع نہیں کرتا مطالعہ کرتے، اور دیکھتے کہ وہ ان کی ضرورت کو کتنے اچھے طریقہ سے پوری کرتا ہے، مولانا نے جرمنی کی برلن یونیورسٹی میں خطاب کیا، اور وہاں جرمنی کی فلسفیانہ خصوصیات کو اس میں ابھرنے والے فلاسفہ کا تذکرہ کرکے ان کو صحیح راہ عمل اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا، مولانا کے خطابات اور مضامین میں قوموں کی خصوصیات اور ضرورتوں کو سامنے رکھکر بات کرنے کا بہت اچھا انداز ہوتا تھا، وہ ہر جگہ وہاں کا جو اہم قومی مرض ہوتا، اس کی بھی نشاندہی کرتے، مسلمانوں کے حلقہ میں سماجی برائیوں اور خیر امت ہوتے ہوئے پھر بھی کوتاہیاں پائے جانے کی قابل مذمت حرکت کی نشان دہی کرتے، تعلیمی اداروں میں وقت کی ضرورت اور دین کے تقاضوں کو باہم دگر کرکے نصاب تعلیم بنانے کی طرف توجہ دلاتے، وہ اس سلسلہ میں وسیع دائرہ کے اندر وضاحت کرتے تھے، اس طریقہ سے وہ نظام زندگی کو موضوع بناتے، اصلاح حال کا مولانا کا یہ طریقہ ان سارے لوگوں کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے جو قوموں کی قیادت کرتے ہیں، خاص طور پر ملت اسلامیہ کے دائرہ میں۔ اور مولانا کی زندگی کا یہ اہم ترین پہلو ہے جو ان کی سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اس میں ایک بہت اہم پہلو یہ بھی تھا کہ مولانا کی خود اپنی زندگی صاف ستھری اور محتاط اور دنیاوی معاملات میں استغناء کامل اور اپنی ذات کے لئے فائدہ اٹھانے سے پورے احتراز کی تھی، جس کا اثر ان کی بات میں تھا کہ اس کو سننے والے بے غرضی اور اخلاص کی بات سمجھتے تھے۔

☆☆☆

تجزیہ

قاعدہ بغدادی کا سبق

وہائٹ ہاؤس کی دیواروں پر سیاہی

مولانا نذر الحفیظ ندوی

قرآن مجید نے مشرکوں اور کافروں کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہوجاتے ہیں، حالانکہ خود قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام اور مخلص مومنوں کی شدید اور غیر معمولی آزمائش کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ زلزلے کی طرح انہیں ہلایا جاتا ہے، ان کو زبردست آزمائش کی بھٹی میں ڈالنا اور اسے کندن بنا کر نکالنا تو ہم مسلمانوں کے لئے مقدر ہو چکا ہے، خون صد ہزار انجم کے بعد ہی تو سحر کی نمود ہوتی ہے، اسی سحر کے آثار دریائے دجلہ کے کنارے اکیسویں صدی کے آغاز میں ظاہر ہونے لگے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح شہنشاہ کسریٰ اپنے تخت وتاج سے محروم ہوا جدید دور کا امریکی شہنشاہ قیصر بھی عراق کے ریگ زاروں میں اپنی ناک رگڑ رہا ہے، طحین کے معرکہ میں پوری عیسائی دنیا سمٹ کر آگئی تھی اس ذلت آمیز شکست کے بعد یورپ کے تمام گھروں میں کہرام مچ گیا اس طرح جدید صلیبی جنگ میں مغربی دنیا کو مٹھی بھر فوج کے مقابلے میں لانے والے وہائٹ ہاؤس کے چہرے پر سیاہی پوتی جارہی ہے، اسی کے ساتھ پوری عیسائی اور یہودی دنیا میں کہرام.. پا ہو رہا ہے، مغربی مبصرین ابھی سے امریکی شہنشاہیت کے زوال اور اس سے پیدا ہونے والے سوالات کا تجزیہ کررہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ویت نام میں امریکہ کو جو شکست ہوئی اس میں بیس سال کا عرصہ لگ گیا اور ساٹھ ہزار امریکی فوجی مقتول اور لاکھ سے زائد مجروح ومعذور ہوئے، اس صدمہ کو امریکہ نے اس لئے برداشت کرلیا کہ وہ شہنشاہ تھا، ویتنام سے مقابلہ میں صلیبی روح کارفرما نہیں تھی، دوسری بات یہ ہے کہ چین اور روس جیسی طاقتوں کی پشت پناہی ویت نام کو حاصل تھی اس دور میں امریکی اسلحہ اور ذرائع ابلاغ اتنے ترقی یافتہ نہیں تھے کہ پل پل کی تصویر امریکی سماج کو دکھائی جاتی لیکن عراق کے ساتھ جنگ میں صلیبی جذبہ کارفرما ہے، جنگ سے پہلے ہی سے امریکی عوام ہی نہیں پوری دنیا اس جنگ کے خلاف تھی تیسری حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے پاس ایک لاکھ تیس ہزار فوج ہے جو جدید ترین اسلحہ سے لیس ہے، وہ صرف اپنے لئے ہی نہیں پوری مغربی دنیا خصوصی یہودیوں کے مفاد کے لئے عراق کو بنیاد بنا کر عالم عربی پر مکمل قبضہ کرنا چاہتا ہے، یعنی فوجی غلبہ کے ساتھ تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے بھی عالم اسلام کو نیست نابود کرنے کا عزم رکھتا ہے، اسی مقصد کو سامنے رکھ کر امریکہ اور اس کی حلیف طاقتوں نے منصوبہ بندی کے مطابق عالم اسلام پر ایسی قیادت مسلط کردی جو اسلامی روح کو مسلمانوں سے نکالنے میں اس کی مدد کرے، بعث پارٹی کے ملحدانہ دستور اور نظام تعلیم کا تنقید سے بجا طور پر امریکہ کو یہ توقع تھی کہ اس کا نجات دہندہ کی حیثیت سے استقبال کیا جائے گا، مادی اور معنوی دونوں اعتبار سے امریکہ نے عراق، مصر اور شام کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی، ایران سے جنگ میں الجھا کر اس کی فوجی طاقت توڑ کر رکھ دی، ایٹمی مرکز کو تباہ کرانے میں اسرائیل کو ذریعہ بنایا، اس پر بس نہ کر کے اقوام متحدہ کو آلۂ کار بنا کر دس بارہ سال سے اقتصادی پابندی عائد کردی، غرض جب اس نے اچھی طرح عراق کو جکڑ دیا تو ایک لاکھ تیس ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوگیا اور یہ شکوہ کررہا ہے کہ پانچ ہزار مسلح جنگجوؤں سے ہمارا مقابلہ ہے، لیکن ہم ہر حال میں کامیاب ہوں گے اور کامیابی کا حال یہ ہے کہ امریکی گورنر پال پریمر صاحب، ایک جگہ دو راتیں نہیں گذار سکتے جگہ بدلتے رہتے ہیں، حتی کہ وہائٹ ہاؤس کے مالک بش صاحب بھی رات کی تاریکی میں منہ چھپا کر بغداد چوروں کی طرح آئے اور چوروں ہی کی طرح واپس چلے گئے۔

مغربی ذرائع ابلاغ ہی کے حوالے سے چند خبریں ملاحظہ فرمائیں۔

امریکی روزنامہ واشنگٹن پوسٹ پنٹاگن کے ذمہ داروں کے حوالے اور خود اپنے نامہ نگاروں کی رپورٹوں کی بنیاد پر لکھتا ہے کہ امریکی ہسپتالوں میں روزانہ زخمی فوجی برابر آرہے ہیں، بہتوں کے ہاتھ کاٹنے پر سرجن مجبور ہیں خاصی تعداد سنگین طور پر زخمی ہونے والے کی ہے، یہ صورت امریکیوں کے لئے بہت سنگین اور انتہائی المناک ہے، اخبار لکھتا ہے کہ باوجود یہ کہ امریکی فوجی بلٹ پروف لباس پہنے رہتے ہیں جس کی وجہ سے جانی نقصان کم ہورہا ہے لیکن پھر بھی مجروحین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور یہ تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے، اکثر زخمی اپنے ہاتھ پاؤں سے محروم ہورہے ہیں، بموں کے ٹکڑے جب پھیلتے ہیں تو وہ جسموں کو بھی جلاتے ہیں اور آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں کو بھی زخمی کر جاتے ہیں، یہ امریکی بم ہیں جنھیں عراقی امریکیوں کو واپس کررہے ہیں، افسوسناک بات یہ ہے کہ ایسے زخمی اور معذور فوجیوں کی عمریں ۲۳ اور ۲۶ کے درمیان ہیں، اخبار کے مطابق گذشتہ اپریل سے لے کر نومبر تک دو ہزار فوجیوں کا علاج کیا جاچکا ہے، ہر روز دس زخمیوں کا اوسط ہے ہر ماہ تین سو فوجی زخمی ہوکر عراق سے واپس کئے جاتے ہیں، امریکی جہازی دن تھرٹی ہر روز رات کی تاریکی میں بغداد ایر پورٹ پر اترتا ہے اور دن بھر کے زخمیوں کو لے کر جرمنی پرواز کرجاتا ہے جہاں امریکہ کے آٹھ بڑے فوجی ہسپتال ہیں ان زخمیوں کو نٹ کے بعد مختلف ہسپتالوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، جو امریکی مقتول ہوتے ہیں انھیں خلیجی ملکوں میں موجود فوجی ہسپتالوں کے کولڈ اسٹوریج میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر دو دو کر کے انھیں قسطوں میں امریکہ بھیجا جاتا ہے تاکہ امریکی عوام ایک ساتھ بہت سی لاشیں دیکھ کر خفا نہ ہوجائیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ روز بروز عراقیوں کی طرف سے مزاحمت اور حملوں میں شدت بڑھتی جارہی ہے، ویتنام کی جنگ میں اپنے دونوں پیروں سے محروم سابق امریکی فوجی ستاون سالہ جیم مایر کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں ویتنام کے بعد اتنی بڑی تعداد میں زخمیوں کو نہیں دیکھا، جیم مایر کے بقول ہر روز امریکی ہسپتالوں میں زخمیوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے، امریکی فوجیوں کے لئے جو ہسپتال ہیں ان کی خاصی تعداد زخمیوں سے بھری ہوئی ہے ان کے ساتھ خاندان کے لوگ بھی ہیں، اس حد تک کہ یہ ہسپتال زخمی فوجیوں کے خاندانوں سے بھر چکے ہیں کہ ۶۰۰ سو کمرے بھی ان زخمیوں اور ان کی فیملی کے لئے کافی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فوجی مراکز میں خیمے نصب کئے گئے ہیں تاکہ زخمیوں کا علاج کیا جاسکے۔

دو ہفتے قبل مشہور خبر رساں ایجنسی رائٹرز نے عراق اور ویتنام کی جنگ میں ہوئے امریکہ کے جانی نقصانات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ویتنام کی جنگ میں دو سال کی مدت میں (۱۹۶۲ء-۱۹۶۴ء) میں ۱۳۹۲ امریکی مارے گئے تھے جب کہ مارچ سے نومبر تک کی مدت میں ۳۹۳ امریکی مارے گئے۔ انتیس اٹالین فوجیوں اور دو جاپانی سفارت کار آٹھ اسپینی فوجیوں کا مرنا اس حساب میں شامل نہیں ہے۔

ایک اور رپورٹ امریکی روز نامہ ہرالڈ ٹریبیون نے یورپی ذرائع سے شائع کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ یورپی مبصرین کے جائزے کے مطابق اب اصل جنگ شروع ہوئی ہے، رمضان کی وجہ سے اس میں مزید شدت آئی ہے، تازہ ترین خفیہ رپورٹوں کے مطابق امریکیوں کے جانی نقصانات پہلے سے کہیں زیادہ بڑھنے کے اندیشے ہیں، اگرچہ امریکی ذمہ داروں کی پوری کوشش ہے کہ وہ اپنی جانی نقصانات کو چھپائیں، کیمرہ مینوں اور اخبار نویسوں کو تصاویر لینے سے روک دیا گیا ہے حتی کہ پنٹاگن کی اجازت کے بغیر کوئی رپورٹ بھی باہر نہیں بھیجی جاسکتی، لیکن شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپانے سے حقائق بدل نہیں جائیں گے، یورپی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکی خفیہ ذرائع بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ عراقیوں کے کمانڈوز جگہ جگہ امریکی فوجیوں کے لباس میں کامیاب حملہ کررہے ہیں، ایک جگہ تو انھوں نے اسلحہ کے ایک بڑے ذخیرے کو دھماکہ سے اڑادیا، اور پندرہ امریکی فوجی محافظوں کو گرفتار کرلیا اور بیس کو قتل کردیا، ایک دوسرے ذخیرہ اسلحہ پر قبضہ کر کے عراقیوں نے نامعلوم انہیں راتوں رات محفوظ جگہ منتقل کردیا، حتی کہ عراقی خفیہ پولیس نے امریکی فوج کے خفیہ مواصلاتی نظام تک رسائی حاصل کرلی ہے، اور انھوں نے اس کے ذریعہ بہت سے فوجی مراکز پر حملہ کر کے تباہ کردیا۔ یورپی رپورٹ کہتی ہے کہ آنے والے دنوں میں امریکیوں کی ناکامی کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، خود امریکی ذمہ داروں کا احساس یہ ہے کہ عراقیوں نے شکست کے صدمہ سے اپنے کو نکال کر ساری توجہ امریکی فوج پر مرکوز کردی ہے اس لئے کہ ان کو اب یقین ہوگیا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکی فوج کے خلاف سب سے زیادہ شدید جذبات اور حملے سنی اکثریت کے علاقوں میں ہورہے ہیں، فلوجہ، موصل، کرک اور تکریت ان حملوں کے بڑے مراکز ہیں جیسا کہ ایسوسی ایٹیڈ پریس نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ شمالی عراق میں موصل شہر کی مساجد کو امریکی فوج کے خلاف جنگی محاذ کی حیثیت دے دی گئی ہے، ان کا جہاد اور جوش وجذبہ برابر بڑھ رہا ہے اور یہ باعث تشویش ہے۔

رمضان المبارک میں جہادی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے میڈل ایسٹ آن لائن نے جو تجزیہ کیا ہے اس کے مطابق رمضان میں عراقیوں نے اپنے حملوں میں شدت کے ساتھ تیزی بھی دکھائی، ان تمام حملوں کو مغربی میڈیا نے بہت گھٹا کر پیش کیا اور لکھا کہ روزانہ دو یا تین حملوں کا تناسب ہے جب کہ صرف اس ماہ کے دو عشروں میں دو سو بائیس حملے ہوئے، فوجی مراکز پر جو حملے ہوئے ان کی تصاویر کھینچنا جرم ہے، ہاں شہری علاقوں میں اگر کوئی حادثہ ہوجاتا ہے تو اس کی تصویر کے لئے اجازت ضروری ہے عراقیوں کا کہنا ہے کہ عراق کے دور دراز علاقوں میں امریکی فوجیوں پر حملوں کی تعداد بڑھ گئی ہے، وہاں خبریں ہم لوگ قصداً نہیں دیتے، امریکی بھی اسے گول کردیتے ہیں، عراقیوں کا کہنا ہے کہ امریکہ تو آزادی کا علمبردار ہے اس کی صحافت آزاد ہے،

لیکن عراق میں اس نے صحافیوں کو اس کی اجازت نہیں دی کہ تصویریں لیں اور خبریں بھیجیں، عراقی اخبارات پر بھی پابندی ہے کہ وہ ایسی خبریں اور تصاویر شائع نہیں کرسکتے جو امریکی مفاد کو نقصان پہونچائے، مثلاً بغداد سے باہر پانچ کیلومیٹر کے فاصلے پر رمادی کے علاقہ میں آٹھ دس گھنٹے تک امریکی فوجیوں کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی، دو درجن سے زائد امریکی مقتول ہوئے، جب جانی نقصان بڑھنے لگا تو جنگی ہیلی کاپٹروں نے مداخلت کی اور جس عمارت سے گولیاں چلائی جارہی تھیں اسپر گولیاں برسائیں اور تین حملہ آوروں کو قتل کردیا۔ عراقیوں کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ امریکی شہنشاہ پر تاک کر نشانے لگا رہے ہیں اور ہر روز نئی حکمت عملی اپناتے ہیں، اسلحہ کا استعمال بڑی مہارت سے کرتے ہیں، گدھا گاڑیوں کو راکٹوں کے لئے استعمال کرتے ہیں، امریکی فوجیوں کی نقل وحرکت کے بارے میں صحیح اور مستند معلومات حاصل کرتے ہیں، رشید ہوٹل پر عراقی مجاہدین نے اس وقت حملہ کیا جب امریکی وزارت خارجہ کے سکریٹری اور عراق پر حملہ کے منصوبہ ساز پال ولفوٹز موجود تھے، وہ تو بال بال بچ گئے البتہ ایک بڑا امریکی فوجی جنرل اس حملہ میں مارا گیا، اس حملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عراقیوں کو بروقت صحیح معلومات ملیں اور انھوں نے نشانہ بھی صحیح لگایا۔ جس دن عراقیوں نے امریکی ہیلی کاپٹر کو گرایا اس میں سولہ امریکی فوجی مارے گئے اور بیس سنگین طور پر زخمی ہوئے اس کے علاوہ فلوجہ اور بغداد میں مزید تین امریکی مارے گئے، اس طرح ایک دن میں انیس امریکیوں کا مارا جانا عراقیوں کے نزدیک تاریخی واقعہ اور مسفیلڈ کی نظر میں خوفناک دن تھا، پھر ۱۲ نومبر کو اٹلی کے بیس فوجی ایک ساتھ مارے گئے اس کے ساتھ جو زخمی ہوئے وہ بعد میں مقتول ہوئے، اس طرح ایک دن میں مقتول فوجیوں کی تعداد انتیس ہوگئی، اس صورت حال کو دیکھ کر بہت عجلت میں پال صاحب کو واشنگٹن بلا کر ہدایت دی گئی کہ وہ جلد سے جلد عراقی حکومت اور نئے دستور کی تشکیل کریں، لیکن عراقیوں نے ان خبروں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور بدستور اپنا کام کررہے ہیں۔

عراق کی صورت حال سے امریکہ سے زیادہ اسرائیل کو گھبراہٹ ہورہی ہے، امریکیوں کے یہودی گرو ہنری کسنجر نے عراق میں امریکی فرعون کی ذلت دیکھ کر تمام یورپی ملکوں کو دہائی دی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر امریکہ عراق میں ناکام ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہی ہوگا کہ دنیا میں دہشت گردی بڑھ جائے گی، کسنجر صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں جاپان وجرمنی یا ویت نام سے جو دشمنی تھی اس میں کسی عقیدہ یا تہذیب کو دخل نہیں تھا اور نہ وہ ہمارے لئے خطرہ تھے، اصل خطرہ تو مسلم فنڈامنٹلسٹوں کا خطرہ ہے، اگر امریکہ عراق میں ناکام ہوجاتا ہے تو یہ بڑا سانحہ ہوگا اور یہ صرف امریکہ کی شکست نہیں ہوگی بلکہ پوری مغربی دنیا کی شکست ہوگی، اس لئے تمام مغربی ملکوں کو چاہئے کہ وہ اس المیہ سے بچنے کے لئے امریکہ کی بھرپور مدد کریں۔ اس کی تائید میں سابق اسرائیلی وزیر اعظم اسحٰق رابین کے سکریٹری ایتا ھابر نے لکھا ہے کہ ''امریکیوں کو سمجھنا چاہئے کہ وہ دجلہ کے کنارے تفریح اور چہل قدمی کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ جہنم کا راستہ کھلا ہوا ہے، آپ اگر اچھی نیت سے اس میں جانا چاہتے ہیں تو ضرور جائیں لیکن یہ تلخ حقیقت بہرحال آپ کے سامنے ہونی چاہئے کہ بغداد جل رہا ہے روزانہ آپ کی لاشیں آپ کے وطن بھیجی جارہی ہیں، اگرچہ امریکی شہنشاہیت کو شکست نہیں ہوئی ہے لیکن اگر اسی طرح روزانہ دس بیس امریکی مرتے اور درجنوں کے حساب سے زخمی ہوتے رہے اور ان کی تعداد بڑھتی رہی جیسا کہ قوی امکانات ہیں، تو یہ سمجھ لیجئے کہ عراقی صرف امریکی فوجیوں کی روح ہی کو نہیں بلکہ بش اور رمسفلیڈ جیسے امریکی حکام کی روح کو بھی نکال دیں گے ہم نے ماضی میں چھٹی دہائی میں اس کا تجربہ کیا ہے مصر کے ساتھ جنگ میں اور لبنان میں بھی ۱۹۷۱ء کی جنگ میں مصریوں سے شکست کھائی، اور جنوبی لبنان سے ہم کو رسوا ہوکر نکلنا پڑا، اب ہم فلسطینیوں کے ہاتھوں روزآنہ پٹتے جارہے ہیں، ہمارے ہوابازوں نے فوجی حملوں میں حصہ لینے سے انکار کرکے پوری دنیا میں ہم کو لعنت کا مستحق بنادیا ہے، عراق پر حملے سے پہلے امریکہ کو ستر بار سوچنا چاہئے تھا، ہم اسرائیلیوں پر فرض ہے کہ ہم اس امکانی حد تک امریکیوں کی مدد کریں، اگر خدانخواستہ امریکیوں کو بغداد میں شکست ہوگئی تو اس کے غیر معمولی اور دور رس اور دیرپا اثرات نہ صرف مشرق وسطی پر بلکہ پوری دنیا پر مرتب ہونگے اور ہمارا وجود تو پگھل کر رہ جائے گا، ہمارے نقطۂ نظر سے صرف امریکہ ہی اس جنگ میں کامیاب ہوسکتا ہے بلکہ اس کو فتح مبین حاصل ہوگی، امریکہ کے علاوہ کوئی عراق کی سرزمین پر ٹک نہیں سکتا۔

کیا واقعی امریکہ کو اس جنگ میں کامیابی ہوگی

اس سوال کا جواب بہت ڈرتے ڈرتے امریکی خفیہ ایجنسی (C.I.A. سی، ائی، اے) نے اپنی ایک انتہائی خفیہ رپورٹ میں دی ہے اس نے عراق میں امریکہ کے خلاف بڑھتے ہوئے حملے اور غم وغصہ کے جذبات سے یہ نتیجہ بہت احتیاط کے ساتھ نکالا ہے کہ ایسے عراقیوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ امریکہ کو شکست دینا ممکن ہے اسی بنا پر عوامی سطح پر امریکہ کے خلاف مسلح کاروائی میں مدد دی جارہی ہے، امریکی روزنامہ فلیڈلفیا انکوائرر نے سی، آئی، اے اور اخباری رپورٹوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عراق کی سیاسی صورت حال انتہائی سنگین اور وہاں امریکی فوج کے لئے خطرات بڑھتے جارہے ہیں، اس بنا پر امریکہ کی کوششوں پر سوالیہ نشان لگ رہا ہے، صورت حال کی غیر معمولی سنگینی نے امریکی انتظامیہ کے سامنے بہت سے ایسے مسائل و مشکلات کھڑے کردیئے ہیں جن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، ان ہی مشکلات پر غور کرنے کے لئے پال پرائمر کو بڑی عجلت کے ساتھ طلب کیا گیا تاکہ عراق کی صورت حال کا تجزیہ کرکے کسی نتیجہ پر پہونچا جاسکے، چنانچہ ۱۲ نومبر کو پال نے امریکی وزیر خارجہ کولن پاول، وزیر دفاع رمسفیلڈ، امریکی صدر کی مشیر برائے سلامتی امور مسز کونڈالیزا رائس کے ساتھ ملاقات کے بعد یہ طے کیا گیا کہ جلد سے جلد نئی حکومت کی تشکیل کی جائے اور عراقیوں کو حکومت منتقل کردی جائے، لیکن امریکی روزنامہ واشنگٹن پوسٹ اور امریکی ٹیلیویژن کی رپورٹوں میں اس عجلت کی تحدید نہیں کی گئی ہے۔

پال پرائمر نے واشنگٹن آمد پر جو رپورٹ پیش کی اس میں بتایا گیا تھا کہ ستمبر اور اکتوبر تک روزانہ دس سے بیس تک حملے امریکیوں پر ہوا کرتے تھے، لیکن نومبر کے آغاز ہوتے ہی یہ تعداد بڑھ کر ۳۰ سے ۳۵ تک ہوگئی، اس کی وجہ سے امریکی فوجوں کے لئے زبردست خطرات پیدا ہوگئے ہیں، اس رپورٹ میں جس کو امریکی وبرطانوی فوجوں کے کمانڈر جنرل رکارڈ سنیچر نے تیار کیا تھا کہا گیا ہے کہ عراقی مجاہدین دور مار میزائل استعمال کرنے لگے ہیں، اس کے ساتھ مارٹر توپ بھی چلاتے ہیں تاکہ براہ راست تصادم سے اپنے کو بچائیں، کوڑا کرکٹ ڈھونے والی گاڑیوں یہاں تک گدھا گاڑیوں کو بھی جنگی مقصد سے عراقی استعمال کررہے ہیں، اس رپورٹ کے بعد میں امریکی سینٹ میں ڈیموکریٹک پارٹی کے چھبیس ارکان نے امریکی صدر کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ امریکی وزیر دفاع رمسفیلڈ کو معزول کردیں، نیویارک کے سینیٹر چارلس الگلو نے ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ اتنے ارکان کی طرف سے قرار داد پیش کرنا سرکاری حیثیت رکھا ہے، رمسفیلڈ کے جانے سے عراق میں امریکی فوجی اور امریکی محکمۂ خارجہ دونوں کو بڑی راحت ملے گی۔

☆☆☆

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کی رحلت

حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا اظہار تعزیت

محمود حسن حسنی ندوی

۲۸ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ کو بزرگ عالم دین اور ممتاز فقیہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم ومتولی جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور ۷۶ سال کی عمر میں انتقال کرگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مفتی صاحب اجراڑہ میرٹھ کے رہنے والے تھے لیکن ان کا قیام سہانپور میں رہا، وہیں پیدا ہوئے اسی جگہ پلے بڑھے، جہاں وہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تعلیم وتزکیہ کا کام انجام دے رہے تھے، جب ان کے شیخ ومرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے ۱۳۹۹ھ میں وفات پائی تو مظاہر علوم کی شوریٰ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کی سرپرستی میں حضرت مفتی صاحب کو مظاہر علوم کی نظامت اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کو نیابت تفویض کی، مفتی صاحب کا بیعت وسلوک کا تعلق مولانا اسعد اللہ صاحب سے تھا اور ان سے مجاز بیعت وارشاد تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی خصوصیات و امتیازات اور اوصاف سے نوازا تھا تعلق مع اللہ، ورع وتقویٰ، اور تفقہ میں آپ اپنے اسلاف کی یادگار تھے، جمعرات کے دن ۱۱ر ربیع الاول ۱۳۲۸ھ کو سہارنپور میں پیدا ہوئے، والد ماجد حضرت مفتی سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم نے مظفر حسین اور احمد سعید نام رکھا، پہلے نام سے مشہور ہوئے، ۱۱ سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے، اور ۲۱ سال کی عمر میں مظاہر علوم سے امتیاز وتفوق کے ساتھ فراغت حاصل کرلی، اور پھر مظاہر علوم میں ہی مدرس اور معین مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دینے لگے، فقہ کی تمام اہم کتابیں، دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں اور تفسیر میں جلالین زیر تدریس رہیں، سنن ترمذی ۲۱ر بار پڑھائیں۔

کئی کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں فضائل مسواک، فضائل تہجد، اور فضائل جماعت بڑی مؤثر اور مفید کتب ہیں، آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث مظاہر العلوم اور آپ کے بھائی مولانا اطہر حسین صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ مغفرت کا معاملہ فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے، آپ کی وفات سے علمی ودینی حلقوں میں جو بڑا خلا پیدا ہوا ہے اسے پر فرمائے۔

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے حضرت مفتی صاحب کے انتقال پر ان کے برادر عزیز مولانا اطہر حسین صاحب کے نام اپنے تعزیتی مکتوب میں مفتی صاحب سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو ایک بڑا سانحہ اور ملت کے لئے خسارہ کی بات بتایا ہے۔

☆☆☆

جدید شام (سوریہ) کا ایک ممتاز اسلامی شاعر

عمر بہاؤ الأمیری: ۱۹۱۸...۱۹۹۲ء

ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی

☆سابق صدر شعبۂ عربی وفارسی الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد

ملک شام جواب بٹ وسمٹ کر جمہوریہ عرب سوریہ کہلاتا ہے ایک عظیم، وسیع، زرخیز و شاداب ملک ہے، قدیم تہذیب وتمدن، نظریات و مذاہب کا گہوارہ، مغرب ومشرق اور شمال وجنوب کے علمی، ادبی، تجارتی و عسکری قافلوں کی گذر گاہ وجولان گاہ رہا ہے، اپنے جغرافیائی محل وقوع، زرخیزی، حسن و جمال، سحر انگیزی، ثمر آور باغات، صاف وشفاف اور شیریں چشموں ونہروں، بہار آفریں باغیچوں، سرسبز وشاداب پہاڑوں، اور خوش نما وادیوں کی وجہ سے مرکز توجہ اور مرجع خلائق ہے، اس کے آب وگل اور مٹی وضمیر میں شعروادب بسا ہوا ہے، اس کے پرامن اور خوش مزاج باشندوں کا یقین ہے کہ قدرت نے سب سے پہلے انھیں کے وطن کی تخلیق کی، اور اسی کے ہرے بھرے پہاڑ "قاسیون" پر بنی آدم کا پہلا حادثۂ قتل پیش آیا، اس کے خون کے دھبے آج بھی اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنے کے بعد اسے ٹھکانے لگانے کی تگ ودو میں اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر پہاڑی کا چکر لگایا، اسی پہاڑ کے ایک سرے پر اصحاب کہف نے پناہ لی جس کے آثار کی نشاندہی کی جاتی ہے، اہل شام کے یہ بیانات ہمیشہ بحث وتحقیق کے موضوع رہے ہیں، تاریخ نے یہ گواہی ضرور دی ہے کہ ملک شام دنیا کی قدیم ترین آبادی ہے اس کی فضاؤں میں شعر ونغمہ گونجتا رہا ہے، اس کے گلستان وچمن اور ساتوں نہروں کے کنارے طرب ونشاط اور ادبی محفلوں سے بارونق ودیدہ ور رہے ہیں، شعروادب، سرود ونغمہ اور گل وبلبل کی داستانیں بھی یہاں ہی رقم کی گئی ہیں، انھیں مجلسوں میں قبل اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ نے یہ اشعار سنائے تھے:-

للہ در عصابة نادمتهم
يوما بجلّق فی الزمان الأول
يسقون من ورد البريص عليهم
بردی يصفق بالرحيق السلسل

اور عصر جدید میں امیر الشعراء احمد شوقی اس کے حسن و جمال، سرسبز وشاداب چمن، اور سرود ونغمہ کو دیکھ کر بے اختیار نغمہ ریز ہوئے:-

قم ناج جلّق، وانشد رسم من بانوا
مشت على الرسم أحداث و أزمان
آمنت بالله، واستثنيت جنته
دمشق روح، وجنات و ريحان
قال الرفاق وقد هبّت خمائلها
الأرض دارلها (الفيحاء) لبنان
جری وصفق يلقانا بها (بردی)
كما تلقاك دون الخلد رضوان
دخلتها و حواشيها زمرّدة
والشمس فوق لُجين الماء عِقيان

عہد قدیم کے شعری ذخیروں سے تو واقفیت حاصل نہ ہو سکی لیکن اسلام کے بعد اس نے عقیدہ و ایمان، علم وہنر، تہذیب وتمدن اور شعروادب کے ایک نئے باب کا آغاز کیا، اموی دور میں جریر وفرزدق، اخطل وعمر بن ربیعہ اور عہد عباسی میں ابوتمام، ابوعبادۃ البحتری، ابوالعلاء المعری، ابوطیب المتنبی اور ابوفراس الحمدانی کے نغموں سے فیضیاب ہوا۔

عصر جدید میں ایک نیا دور شروع ہوا اور بتدریج شعروادب کے اس معیار تک پہونچا، جسے کم و بیش سو سال لگے، شام کے مؤرخ ادب استاذ سامی الکیالی نے اس کی تقسیم اس طرح کی ہے:-

(۱) گمنامی (۲) امید کی کرن (۳) بیداری کا آغاز، (۴) تخلیق، تحریک وروانی۔ قوموں اور امتوں کی زندگی میں عروج وزوال کے مرحلے آتے ہی رہتے ہیں، شام وعرب ممالک بھی ان مراحل سے گذرے، اور شام میں بیداری کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا، مصر سے پہلے ہی اس کے شمالی پایہ تخت حلب میں پریس قائم ہو چکا تھا اس کے بارے میں ڈاکٹر عمر دقاق رقم طراز ہیں:-

"اٹھنا سیوں انطا کی نے اٹھارہویں صدی کے شروع میں مشرق میں پہلا پریس حلب میں قائم کیا تھا پھر اسے "شویر پریس" کے نام سے لبنان منتقل کر دیا۔

(فنون الادب المعاصر ص ۱۲)

استاذ جرجی زیدان نے ذکر کیا ہے کہ سعید بن محمد الحلبی نے حلب پریس کے نام سے ایک پریس ۱۷۱۲ء میں قائم کیا تھا۔ (مصدر سابق)

استاذ حلبی نے پہلا اخبار ۱۸۵۵ء میں جاری کیا اس کا نام "مرآۃ الاحوال" تھا اور استنبول سے شائع ہوتا تھا، دوسرا اخبار حلب سے شیخ عبدالرحمٰن الکواکبی اور ہاشم العطار نے ۱۸۷۷ء میں "الشہباء" کے نام سے جاری کیا۔

اٹھارہویں صدی کے آغاز میں چند پیشرو شاعروں کا ذکر آتا ہے جن میں مندرجہ ذیل تین شاعر نمایاں ہیں: شیخ امین الجندی، رزق اللہ حسون الحلبی اور جبرئیل دلال جنھوں نے یورپی سامراج سے عدم تعاون کی تحریک کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے:-

فلم الخضوع لذی البغاة و مالها
عجباتيه بتاجها و قضيبها
فالجيش من أولادنا لقتالها
والبذخ من أموالنا لمعيبها
هيا انهضوا وبطردها اجتهدوا فقد

ساد الدمار وعم من تحريبها

مگر واقعہ یہ ہے کہ شام میں جدید عربی شاعری اپنی پختگی، شگفتگی، تازگی اور روانی وتاثیر کے ساتھ بیسویں صدی کے طلوع فجر سے قبل اہمیت ومقام حاصل نہیں کر سکی تھی، بڑی حد تک مصر کی شعری روایت، طرز واسلوب کی تقلید وپیروی تھی، لیکن ۱۹۱۹ء میں استاذ محمد کرد علی کی سرکردگی میں پہلی عربی اکیڈمی کے قیام اور شیخ طاہر الجزائری کی رہنمائی میں کتب خانہ ظاہریہ کی ترتیب وتشکیل جدید نے شام کے زبان وادب اور شعر ونثر میں روح پھونک دی ان دونوں ادیبوں کے پہلو بہ پہلو تین ممتاز علماء وفقہاء ادب شیخ سلیم الجندی، شیخ عبدالقادر مبارک اور شیخ جمال الدین قاسمی نے اپنی لیاقت اور غیر معمولی جدوجہد سے علم وادب کے اسکول اور دانش گاہیں آباد کر دیں جن کے فیضیاب شاعروں میں نمایاں نام یہ ہیں:-

محمد الہزم، خیر الدین الزرکلی، شفیق جبری، خلیل مردم، بدوی الجبل، بدر الدین الحامد، عمر ابوریشہ، نزار قبانی، رفیق فاخوری اور عمر بہاؤ الامیری وانور العطار، ان میں ہر ایک کا اپنا رنگ، فکر وتخیل اور صوت وآہنگ ہے۔

اس وقت پیش نظر شاعر استاذ عمر بہاؤ الأمیری ہیں، جو اپنی بے پایاں اور گوناگوں صلاحیتوں اور ادبی، شعری وعلمی تخلیقات کے ذریعہ ناموری کے عروج وکمال کو پہونچے، وہ شاعر وادیب کے باوصف ایک کامیاب وکیل، استاذ، منتظم، سیاست داں، سفارت کار، داعی و مجاہد اور کثیر التصانیف شخصیت کے مالک تھے، انھوں نے اپنے بعد ایک گرانقدر علمی وادبی سرمایہ اور شاندار مثال و نمونہ چھوڑا ہے جو ہمیشہ منارۂ نور بنا رہے گا،

استاذ عمر بہاؤ الأمیری شام کے شمالی شہر حلب میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے یہی شہر امیر سیف الدولہ حمدانی کا پایۂ تخت اور اس کے عم زاد ابوفراس حمدانی اور ابوالطیب المتنبی کے شعر ونغمہ سے گہرا فریفتہ ومشک بار رہا ہے۔

استاذ امیری نے حلب میں ابتدائی وثانوی تعلیم حاصل کی اس کے بعد پیرس کی ساربون یونیورسٹی میں ادب ولسانیات میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی، فرانسیسی وانگریزی زبانیں سیکھیں، وطن واپس آکر دمشق یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی۔

تعلیم سے فارغ ہوتے ہی دمشق کے "معہد اسلامی" کے پرنسپل منتخب ہوئے، انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ادب وتمدن اور سماجیات کے مضامین بھی پڑھاتے تھے، اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر طلبہ واساتذہ میں یکساں مقبول ہوئے، پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد وکالت شروع کی اپنی حسن کارکردگی اور لیاقت کی وجہ سے جج مقرر ہوئے، ایک حق پسند وعدل پرور وکیل وجج کے طور پر مثالی کردار پیش کیا ملک کے پہلے پارلیمانی انتخاب میں کامیاب ہو کر رکن پارلیمنٹ ہوئے، پارلیمنٹ میں اسلامی محاذ کے سرگرم و موثر کارکن رہے، اپنے رفقاء محاذ ڈاکٹر مصطفی السباعی استاذ محمد المبارک اور شیخ مصطفی احمد الزرقاء کے ساتھ ملک کے دستور کو تعمیری واسلامی رخ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا، کچھ عرصہ کے بعد سفارت کے منصب پر فائز ہو کر پاکستان گئے، وہاں عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے ثقافتی شعبہ قائم کیا اور ملک سے دو لائق اساتذہ ڈاکٹر امین المصری اور ڈاکٹر احمد الاحمد کا اس شعبہ میں تقرر کروایا، بعد میں اول الذکر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ اور آخر الذکر اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں استاذ منتخب کئے گئے، اور دونوں ملکوں پاکستان وسعودی عرب میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

استاذ عمر الامیری نے پاکستان میں اردو زبان سیکھی، اور اس کے ذخیروں سے استفادہ کیا، خصوصاً علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت اور ان کی تصنیفات اور ڈاکٹر محمد اقبال کے کلام سے فیض حاصل کیا، دونوں کا بڑی عقیدت واحسانمندی سے تذکرہ کرتے تھے، حکومت شام نے چند برس کے بعد سفیر ہی کے طور سے سعودی عرب میں متعین کر دیا، یہ ان کی بڑی خوش نصیبی تھی، حرمین شریفین سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی ذات سے عرب ومسلمانوں کی بہت خدمت کی، ایک عرصہ کے بعد ملک واپس آکر تصنیف وتالیف، ریسرچ وتحقیق، دعوت اور تعلیم وتربیت میں مشغول ومنہمک ہو گئے، عرب ومسلمانوں کے مسائل اور خصوصی طور سے مسئلہ فلسطین ان کا خاص موضوع تھا، اس وجہ سے بھی کہ وہ ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی جنگ میں شریک تھے اور اس فوجی دستہ کے جانباز رکن تھے جو چند گھنٹوں میں "تل ابیب" کو فتح کرنے والا تھا لیکن غداری، خیانت اور بددیانتی نے انھیں اس فتح وکامرانی سے روک دیا، ۱۹۶۷ء کے بعد ملک کے حالات سازگار نہیں رہے تو فاس یونیورسٹی مراکش کی دعوت پر ادب وتمدن اور جدید ومعاصر رجحانات ونظریات کے استاذ کی حیثیت سے وہاں گئے اور تاحیات اس تدریسی منصب پر فائز رہے، ان کے محاضرات فاس یونیورسٹی کے علاوہ جامعہ قرویین (جامع ازہر کے بعد دنیا کی قدیم یونیورسٹی) میں بھی ہوتے تھے، ۱۹۹۲ء میں عید کے بعد سعودی عرب میں وفات پائی اور مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں سپرد خاک کئے گئے۔

عمر بہاؤ الأمیری نے نوعمری ہی سے شعر کہنا شروع کیا تھا، فطری صلاحیت، حساس طبیعت، شعور کی بالیدگی، وسیع وگہرے مطالعہ، اعلیٰ تعلیم، ہمہ جہت زندگی کے تجربات، عرب، اسلام اور دنیا کے مسائل پر عمیق نظر، جدید وتجدد پسند رجحانات ومغربی فکر ونظر سے گہری واقفیت نے انھیں اس دور کا عظیم شاعر بنا دیا تھا، وہ قدیم و جدید شعری روایت، اسلوب وطرز سے بصیرت وآگہی رکھتے تھے، ان کے اشعار ان تمام جہات ورجحانات سے گذرتے ہوئے بے حد موثر، پرکشش، دلآویز اور بامعنی ہو جاتے تھے، نیز ان میں جمال ونکھار کے ساتھ روحانیت وربانیت، قدسیت وشفافیت بھی پائی جاتی ہے، ان کے بیس شعری دیوان ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:-

"مع الله، ألوان طيف، من وحي فلسطين، اشواق و أشراق، أبي وأمي، ملحمة النصر، الأقصى، الفتح اور القمة" انھوں نے نثر میں بھی گرانمایہ کتابیں تصنیف کی ہیں، بطور مثال چند نام ملاحظہ ہوں۔

الاسلام فی المعترک الحضاری، المجتمع الاسلامی والتیارات المعاصرة اور فی رحاب القرآن" وغیرہ۔

عمر لاامیری کا شعری امتیاز یہ ہے کہ وہ ان کے قلب کی ایک ایسی صدا ہوتی ہے جس میں محبت، مودت، اخوت، اسلامیت، انسانیت، مروم گری، نفسیاتی تجربہ اور پرجوش قلبی واردات متحرک و رواں دواں محسوس ہوتی ہیں۔

چند شعر پیش ہیں:-

کلما أمعن الدجی وتحالک
شممت فی غورہ الرهیب جمالک
وتراءت لعین قلبی برایا
من جمال، آنست فیها جمالک
وترامی لمسمع الروح همس
من شفاه النجوم یتلوا لثالک
واعترانی تولّه و خشوع
واحتوانی الشعور أنی حیالک
ماتمالکت أن یخر کیانی
ساجدا واجدا، ومن یتمالک

"جب جب تاریکی گہرائی میں ڈوب جاتی ہے اس کے ہولناک تہ میں تیرے جمال کی تابناکی محسوس کرتا ہوں، جب بھی میرے قلب کی نگاہ کو حسن کی چمک دکھائی پڑتی ہے اس میں ترے جمال کا انس محسوس ہوتا ہے، جب بھی روح کے کان میں ستاروں کی سرگوشی گونجتی ہے تو لگتا ہے کہ تیری حمد وثنا سے ان کے لب تر ہیں، مجھے خشوع وخضوع وشوق وذوق سے ایسا گرویدہ بنالیتا ہے گویا کہ میں تیرے سامنے ہوں پھر میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاتا اور جبین نیاز سجدہ ریز اور بے قرار ہوجاتی ہے تو ایسے حال میں کوئی بے حال کیسے نہ ہو؟"

پوری نظم اسی کیف وسرور کے ساتھ جمال آراء وسحر انگیز ہے، مترنم ونغمہ ریز ہے، الفاظ وخیالات اور تعبیر وتر جمانی نئی اور جدید ہیں، معروف عرب نقاد قاضی عبدالرحمٰن اریانی لکھتے ہیں کہ:-

"عیون القلوب، مسامع الأرواح، شفاه النجوم خوبصورت اور جدید تعبیریں ہیں" (۲)

شاعر امیری کی یہ خوبی ہی ہے اور ان کے فن کا کمال اور حسن تعبیر ہی تو ہے کہ وہ آپ کو اپنے اشعار اور قطعوں کے ذریعہ ایک ایسی نمائش گاہ میں پہونچا دیتے ہیں جہاں تصویریں، مجسمے اور شکلیں ہیں جو زندہ، متحرک، رواں دواں لگتی ہیں، آپ انھیں دیکھ رہے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ ساتھ چل پھر رہے ہیں، آپ سے ہم کلام بھی ہیں اور شیریں بیان بھی، اس وقت آپ کو یہ خیال بھی آتا ہے کہ آپ کچھ نئی، عمدہ، نادر اور شاندار اشیاء تک پہونچ گئے ہیں، جنھیں نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ سنا ہے، قاضی اریانی نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان کے شعری حسن اور صنعت کو اجاگر کرتے ہوئے چند امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں۔

تخیل کی جدت طرازی، نظریہ، اسلوب اور تجربہ میں حقیقت پسندی، شکل، معنی وقالب میں جدت، فکر وخیال میں روحانی شفافیت، سحر انگیزی، بلندی جو ایمان، روحانی لطافت اور پاکیزگی میں تبدیل ہوجاتی ہے، اور مادیت، خودستائی، نفرت وبدطینتی سے بلندتر، فرشتوں، صالح ونیک روحوں سے قریب تر نظر آتی ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں:-

انی سریزدی بدینا حدودی
کلما هممت فی تجلی سجودی
کیف تذر وسبحان ربی قیودی
کیف تجتاز بی وزار السدود
کیف تسمو بفطرتی و وجودی
عن مفاهیم کونی المعهود
کیف ترقی بطینتی و جمودی
فی سماوات عالم من خلودی

"کون سا راز میری سرحدوں کے پرے لگا سکے گا جب جب میں اپنے سجدوں کی نورانیت میں ڈوب جاتا ہوں، پاک ہے ذات باری میری پابندیاں کب تک قائم رہیں گی، میرا وجود میری فطرت میری عام زندگی سے نکل کر بلندیوں تک کیسے پہونچ سکے گی، میرے آب وگل اور جامد وجود کی رسائی ابدی دنیا کی اونچائیوں تک کس طرح ہوسکے گی"۔

یہ اشعار قاری کے دل میں اطمینان، سکون، مسرت، خودی اور خودداری پیدا کردیتے ہیں، ان پر ایمان ویقان بھی سایہ فگن ہوتا ہے، معاصر اور تجدد پسند ادیبوں نے شعر کی خوبی یہ بتائی ہے کہ اس میں تجدد پسندی، واقعیت، معاشرہ کے حالات، ماحول کی کٹھنائیاں اور تجربات ومسائل کا بیان واظہار وغیرہ ہو، استاذ عمر بہاء الأمیری کے اشعار ان خصوصیات کے حامل ہیں، جن کی جانب سطور بالا میں وضاحت کی جاچکی، وہ واقعہ نگاری، حقیقت پسندی، انسانی مسائل، امت کی مشکلات، فلسطین کے المیہ، معاشرہ کی تلخیوں اور اغیار کی ستم رانیوں کی داستان بیان کرتے ہیں، اس میں شعر کی شیرینی، دلنواز موسیقیت، توازن اور ہم آہنگی بھرپور پائی جاتی ہے جن سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور انگڑائیاں لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے ملاحظہ ہو:-

مع الله فی الفلک المستطیر
وفی الشمس تجری إلی مستقر
مع الله فی البحر ملح أجاج
مع الله فی سلسبیل النهر
مع الله فی نسیمات الریا
ح اللواقح تخطر بین الشجر

"ہر آن وہر جگہ، گردش کرتے ہوئے فلک، اپنے بسیرے کی جانب رواں آفتاب، سمندر کے کھارے پانی، دریا کی شیرینی، اور آب باراں سے بوجھل ہوا کے جھونکوں، جو درختوں سے اٹھکھیلیاں کرتے گذرتے ہیں، ان سب میں رب کریم کی عنایت اور اس کی رحمت سایہ فگن رہتی ہے"

شاعر فلسطین کے مسئلہ کو امت کا بڑا مسئلہ سمجھتا ہے، اس کی نظروں کے سامنے گویا اس کے پاک ومقدس ہاتھوں سے چھین کر ناپاک ہاتھوں میں دے دیا گیا ہو، وہ اس کی آزادی اور اس کے بقاء وتحفظ کے جہاد

میں خود نفس نفیس شریک تھے اس کے چھن جانے پر خون کے آنسو روئے جو اشعار میں ڈھل کر ایک دیوان کی شکل اختیار کرلی جس کا عنوان ہے: من وحی فلسطین" اسے یاد کرکے ہم کلام ہیں:-

"فلسطین" یا آیة الله فی الوجود، و یا روضة من سناء مقام "الخلیل" وعزا المقام وجل "الخلیل" أبو الأنبیاء وحضن "البتول" و محرابها ومهد "المسیح" صفی السماء ومسری الرسول هدی العالمین ومعراجه الفذ یعلوا العلاء"

"فلسطین تو اس کائنات میں اللہ عزوجل کی نشانی ہے، اور بہار آفریں وسرسبز وشاداب چمن ہے تو حضرت ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کا نشیمن، اور بڑا ہی مبارک وبلند مقام ہے، ابو الانبیاء حضرت خلیل عظیم وبزرگ تر تھے، تو اے فلسطین حضرت مریم بتول کی محراب اور ان کا گود وپالنا ہے، خداوندی آسمان کے برگزیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی جائے پیدائش وگود ہے تو (اے فلسطین) سارے جہاں کے ہادی رسول اکرم ﷺ کی گذرگاہ اور مقام معراج ہے جو آسمان کی بلندیوں کو چھولیتی ہے۔"

انھیں خبر پہونچی کہ فلسطین پر بڑا حملہ ہوا ہے تو تڑپ اٹھے اور بے اختیار زبان پر یہ اشعار جاری ہوگئے:-

یا "فلسطین" یا تراث النبوة
یا لسان المجد الأثیل المفوّه
لا یضرک العدوان مهما تمادی
إن هذا العدوان مبعث قوة
أمة العرب فی رکابک هبت
تُلقم العاتی الزنیم عتوه
والابادة الکمدة تهتز ثارا
کلما معرج الرسول تساوّه
فافقئ البغی فی عیون ذوبه
سوف یحمیک یعربی المروّة

"فلسطین! انبیاء کی وراثت، عظیم وروشن شرافت کی ترجمان، تجھ پر حملہ دلفگار کتنا ہی ہولناک ہو ضرر رساں نہیں بن سکتا، یہ حملہ طاقت وزور آزمائی ہے، امت عرب تیرے لئے پابہ رکاب ہے کمینے اور مجہول النسب سرکش، عبرت آمیز سبق سے دوچار ہوں گے، جب بھی رسول ﷺ کی سرزمین معراج تڑپ اٹھے گی، جانباز وجان نثار انتقام کے لئے دوڑ پڑیں گے، اے فلسطین سرکش کی بینائی ختم کردے، بلاشبہ غیرت مند عربی تیری پاسبانی کا فرض پورا کرے گا"

استاذ امیری الجزائر کی دعوت پر اس کے جشن آزادی میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے، یہ وہی دن تھا جس روز مسجد اقصی میں آگ زنی کا حادثہ پیش آیا تھا، یاد کرکے برجستہ یہ اشعار کہے:-

یجلجل الحق والأکوان آذان
بان آیة هذا النصر ایمان
صوت من الله قد أملی إرادته
فهب یسعی لها شیب و شبان
کان الجهاد عریقا فی ضمائرهم
کما تفاعل فی الأعماق برکان
فحین نادی أذان الله واشتعلت
وغیً، تلاحم ایمان و کفران
وحصحص الحق فی المیدان وانطلقت
کتائب الله حتی اندک طغیان

"صدائے حق بلند ہوئی اور پوری کائنات گوش بر آواز ہے اس فتح وکامرانی کی کلید ایمان ہے، ندائے حق نے مقصد کے لئے آواز بلند کی تو اس پر لبیک کہنے کے لئے بوڑھے، جوان سربکف اٹھ کھڑے ہوئے ان کے قلب وضمیر میں جہاد کی چنگاری دہک رہی ہے جیسے کہ زیر زمین لاوا پھوٹ پڑنے کے لئے بے تاب رہتا ہے، اللہ کی پکار سنتے ہی برسرپیکار ہوکر کفر وایمان کا معرکہ گرم ہوجاتا ہے، حق بلند ہوکر میدان پر چھا جاتا ہے جنود اللہ سرکش طاغوت کا سر کچل دیتے ہیں"

شاعر نے اپنے ان احساسات وتجربات کو شعری نغموں میں اس طرح ڈھالا ہے، جیسے کہ وہ چلتی پھرتی متحرک شکلیں وتصویریں ہوں جو نظروں کے سامنے گذر رہی ہیں۔

ان کے ہم وطن، طویل عرصہ کے رفیق، ساتھی، دعوت وجہاد کے شریک کار کن ہم قلم وہم زبان، شعر شناس ادیب وشاعر ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی، ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:-

"ان (استاذ امیری) کے بہت سے دواوین مطبوعہ وقلمی ہیں، ان کے اشعار کی نوعیت اور امتیازی اوصاف بلکہ ان کی زندگی سے جو قریب رہا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بے تکلف اور برجستہ شعر کہتے تھے، میں بھی ان کو فون کرتا تو کہتے کہ یہ اشعار سنتا ابھی ابھی میری زبان پر آگئے ہیں، وہ اس بات سے شاعر ابو العتاھیہ کی یاد دلادیتے تھے جس کا کہنا تھا کہ:-

"اگر میں چاہوں تو اپنی تمام باتوں وگفتگو کو شعر بنادوں"

آخر میں ہم اس عظیم وممتاز شاعر اور شریف ونیک امیر ابو البراء کے بارے میں وہی جملہ ادا کرنا چاہتے ہیں جو ثعالبی نے خوش خصال امیر وحلب کے قدیم شاعر ابوفراس حمدانی کے بارے میں کہا تھا:-

اے اللہ اس پاکیزہ نفس کے ساتھ رحم وعفو کا معاملہ فرما۔

''حقیقت موت''

(مصنفہ: جناب مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب)

پروفیسر وسیم احمد صدیقی

ایک مطالعہ

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی کتاب ''حقیقت موت'' ایک ایسے مصنف کی کتاب ہے جن کو مفسر قرآن ہونے کے سبب سے قضا کے راز داں اور خلوتی رازِ نہاں کہا جاسکتا ہے، اس ہمرازی کا رشتہ حضرت مولانا کا دوسرے مفسرین سے بھی ہے، ایسے مفسرین سے جن کی عظمت کا زمانہ گواہ ہے، اور خود حضرت مولانا نے ان کا حوالہ دیا ہے، مگر اس خاص موضوع یعنی موت کو جو زندگی کا سب سے اہم پہلو ہے، بعض مفسرین نے زیادہ وسعت نہیں دی ہے، اور اس کے اجمال کی تفصیل مولانا کے قلم ہی سے بیان ہوئی ہے، اور اس طرح سے بیان ہوئی کہ حق ادا ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر میں برکت دے مگر جب وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو یہ کتاب تصویر جاناں کی طرح ان کے بغل میں ہوگی، یہ بات کہنے کا میرا دل اس لئے چاہا کہ حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے جب کلام پاک کا ترجمہ کیا تو اس بات کے عذر کے لئے کہ جب کلام پاک کے ایک سے ایک قابل قدر تراجم موجود ہیں، اس کی کیا ضرورت پیش آئی جہاں اور باتیں لکھیں وہاں یہ مصرعہ بھی لکھا۔

من نیز حاضری شوم تفسیر قرآں در بغل

جو باتیں مولانا نے لکھی ہیں یعنی حیات اور بعد ممات ان کا تعلق اللہ کے کلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت سے ہے اس کے لئے منطقی نتائج سے استنباط غیر ضروری ہے، ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے تو اس سلسلے مین سب کی نمائندگی کردی ہے، جب انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا مجھے دکھا تو کس طرح مُردوں کو جلائے گا۔ وہ پیغمبر جو عقل کو لب بام چھوڑ کر بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے، اللہ کی مشیت پر جنھیں کامل اعتبار تھا اور اللہ کی رضا جوئی جن کی زندگی کا مقصد تھی، انہوں نے یہ سوال کیا اور اللہ کے اس پوچھنے پر کہ کیا تمہیں اعتبار نہیں اپنے قلب کے اطمینان کو اس کی وجہ بتائی اور اللہ نے ان کے قلب کو مطمئن کردیا۔

مولانا نے اس کتاب میں شب دراز عدم کا فسانہ لکھا ہے بے حد دلچسپ اور بے حد عبرت آموز، زندگی کا راز تو کھلا راز ہے سب پر عیاں مگر خاموش قبر میں کیا ہنگامے ہیں، اور اس سے گزر کر پھر کیا گزرے گی؟ اس کا بیان اس کتاب میں پڑھئے، صیاد اجل کا تیر کھانے والے وہ کون سے لوگ ہیں، جن کے لئے یہ پیغام عیش ہے اور کس کے لئے پیغام اذیت وہ خود بخود نگاہ میں آجائے گی، اس وقت جی چاہا کہ اردو اور فارسی کے شاعروں کے وہ اشعار لکھوں جو موت کے سلسلے میں ہیں مگر مولانا کی تحریر کی متانت اور موضوع کی سنجیدگی میں فرق آئے گا، پھر بھی دو اشعار لکھتا ہوں ایک میرؔ کا اور ایک ذوقؔ کا۔

موت ایک واماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
(میرؔ)

اب تو گھبرا کر یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
(ذوقؔ)

عمر بھر کا پیمان وفا باندھنے والوں کو موت کے بعد بھی یہ رفاقت ملتی ہے یا الگ الگ ہوجاتے ہیں اس کے لئے تو دفتر میں لکھا ہوا اعمال نامہ ہی بتائے گا کہ کون کدھر جائے گا اس کا فیصلہ تو اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

بہر حال یہ بات تو سب پر ظاہر ہے کہ موت آخری منزل نہیں، ایک عام مسلمان کے گھرانے میں بھی جہاں مذہب مکمل عملی نہ ہو بلکہ روایتی ہو یہ بات تو سب کے علم میں ہوتی ہے کہ قبر میں منکر نکیر آئیں گے، سوال وجواب کریں گے، عذاب قبر سے معاملہ ہوگا، اور پھر اپنے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں داخلہ ہوگا، مگران کے لئے روز قیامت تو وہی دن ہوگا جس دن ان کا انتقال ہوگا، روز حشر اور اس کی جاں گدازی سے واقف ہوں گے، اگر مذہب کا علم نسبتاً زیادہ ہوگا تو برزخ علیین اور سجین جیسے الفاظ اور مفہوم سے وہ واقف ہوں گے، مولانا کی یہ کتاب خواص کے لئے ہے، گو گفتگو عوام سے ہے۔

مولانا کی کتاب کی ابتدا اس سے ہے ''اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں واپس ڈالیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے'' یہ آیت اپنے میں ہزار معنی لئے ہوئے ہے مولانا نے لکھا ہے کہ یہ منظر عام انسانوں کے مشاہدہ میں انصاف کے دن سامنے آئے گا، سزا اور جزا کے فیصلے سلطان کائنات کی طرف سے نازل ہوں گے، اس دن تک پہنچنے کے لئے سب کو موت کی منزل سے گزرنا ہے، مولانا نے اس کی وضاحت کے لئے جو نکات سامنے رکھے ہیں، وہ ارباب دانش کی آنکھوں کے لئے سرمہ نور ہیں۔

مولانا نے اپنی تحریر کو موضوعات کے تحت رکھا ہے، موت سے کسی کو فرار نہیں، مولانا نے دوسروں کی زبان سے سوال کیا ہے کہ کیا موت کا کسی کو اپنے اوپر تجربہ ہوا ہے؟ اور خود کلام پاک سے جواب لکھا ہے کہ کیا ان لوگوں کے واقعہ پر تمہاری نظر نہیں؟ جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، پھر بھی موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل پڑے، بس اللہ نے ان سے کہہ دیا کہ مرجاؤ اور وہ سب مرگئے، پھر انہیں زندہ کردیا بے شک اللہ تو انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر انسان شکر نہیں کرتے۔

مولانا نے حضرت عزیرؑ کی مثال دی، جنہیں اللہ نے سو برس کی موت دی، اور پھر زندہ کیا۔ اس ضمن

میں حضرت مولانا نے تاریخی پس منظر کو بھی پیش کیا ہے، اور حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے حاشیے اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی تشریح پیش کی ہے، اور مثالوں کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ستر آدمیوں کے موت کے تجربے، اللہ تعالیٰ کا عذاب اور حضرت موسیٰؑ کی دعا لکھی ہے، جو انتہائی مؤثر ہے، حضرت مولانا نے واقعۂ اصحاب کہف لکھا ہے کہ وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے اور ان کو احساس ہوا کہ دن بھر سوئے یا اس کا کوئی حصہ، پڑھنے والے کے لئے عبرت کا سامان ہے۔

پھر مولانا نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت تقدیر میں درج کی ہے، اور وہ کسی چیز پر عاجز نہیں اور محکمہ موت کا عہدیدار مقرر کیا ہے، پھر عالم برزخ کی وضاحت کی ہے، جس کے دو حصے ہیں سجین اور علیین جو قیامت آنے سے پہلے بالترتیب نافرمان اور نیکوکار لوگوں کا ٹھکانہ ہوگا۔

جیسا کہ میں نے لکھا ہے یہ کتاب خواص کے لئے ہے، مولانا نے بڑے بلیغ انداز میں یہ بات لکھی ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے، مرنے کے بعد تو روح آسمان میں چلی جاتی ہے اور جسم مٹی میں مل جاتا ہے جس کا خمیر ہے، موت کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی موت کی منزل سے گزرنا ہوتا ہے، اس کی مثالوں میں سب سے مؤثر مثال حسب ذیل ہے۔

''اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت رسول ہو چکے پھر ان کو موت آجائے یا ان کو قتل کردیا جائے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی بھی الٹے پاؤں پھر گیا وہ اللہ کا کیا بگاڑ سکے گا؟ اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزا دے کر رہے گا۔''

یہی اس آیت کا ترجمہ ہے جسے پڑھ کر حضرت صدیقؓ سارے بے چین اور از خود رفتہ لوگوں کو قرار میں لائے تھے، یہ حصہ واقعات سے بھرپور ہے، اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، مولانا نے اس موت کا بھی ذکر کیا ہے جو کفر کی موت ہے، اور کافروں کے علاوہ کبھی کبھی مسلمان بھی اس موت سے دو چار ہوتے ہیں، یہ بڑا دقیق نکتہ ہے جس کی مولانا نے وضاحت کی ہے۔

بہر حال جہاں سے آئے تھے وہاں واپسی ہوگی اور کیا مستقر ہوگا اس کا اعمال سے تعلق ہے، اللہ کا حکم ہے کہ اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین بہت وسیع ہے اور صرف میری بندگی کرنا، زمین کی وسعت اور بندگی کا تعلق الگ الگ باتیں لگتی ہیں، مولانا نے لکھا ہے کہ یہ اللہ کی خاطر ہجرت کی ہدایت ہے جب کہ اس کی ضرورت ہوجائے۔

یہ دنیا اشرار اور ابرار کی کشمکش کی دنیا ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایمان کی دعوت کو سنا کیسی عمدہ دعا مولانا نے کلام پاک کے حوالہ سے لکھی ہے، جس کا اردو ترجمہ نیچے لکھا جارہا ہے۔

''اے رب تو بخش دے ہمارے گناہوں کو
اور ہم کو وفات دے نیک لوگوں کے ساتھ
موت میں پکڑے جانے پر بہانے کام نہیں آئیں گے، یہ عذر کہ ہم تو بے بس اور کمزور تھے، کفار اور مشرکین کی دی ہوئی ایذا سے ہم نے ایمان گنوایا، فرشتے کہیں گے کہ یہ عذر قابل قبول نہیں ہے، تم نے وہ جگہ چھوڑ کیوں نہیں دی؟''

مولانا نے حضرت عیسیٰؑ کی موت سے متعلق بڑی بلیغ بات بیان کی ہے کہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو پوجنا، حضرت عیسیٰؑ عرض کریں گے کہ یہ ناحق بات میں کیسے کہتا میں جب تک ان میں موجود تھا تو ان کی حالت مجھے معلوم تھی، بعد کا حال مجھے کچھ بھی معلوم نہیں، جب حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن ایسی صفائی دے رہے ہیں تو ان کے معتقدین کو کیا کہا جائے جو ان کے لئے غیب دانی کا دعویٰ کرتے رہے۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، اب مولانا پھر وہی بات فرماتے ہیں، جس کو پہلے بھی کہہ چکے ہیں، اس آیت کے ترجمے سے اس کی مزید وضاحت ہے۔

''وہی اللہ ہے جو رات میں تمہاری جان اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے اور دن میں تم کو وہی اٹھا دیتا ہے تاکہ اس کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہوجائے، پھر تو سب کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کچھ کرکے آئے ہو۔''

مفسر قرآن کا قلم رواں ہے، اب وہ اللہ کے سوا دوسروں سے دعا کرنے والوں کا حشر لکھتے ہیں، منھ اور پیٹھ پر انگاروں بھری ضرب کا ذکر لاتے ہیں، نماز جنازہ کا ذکر کرتے ہیں، اور منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے اللہ کی روک کو بتاتے ہیں، یہ بتاتے ہیں کہ جہاں جس کو مرنا ہے، اسی جگہ وہ پہنچے گا، اللہ کی نافرمانی کی حالت میں موت پانے والے کی نجات نہیں، دل میں کفر کا روگ رکھنے اور اعمال میں گندگی کے ساتھ موت آخرت میں کس طرح ذلت کا باعث ہوگی۔

شہیدوں کی موت کے متعلق یا دوران ہجرت مہاجر کی موت کے متعلق اللہ کے وعدہ کو بہترین طریقہ سے بیان کیا ہے، کیسے حسن انتظام کے ساتھ ان کے رزق کا اہتمام ہوگا۔

موت کے وقت کے تفصیلی حالات مولانا کے زبردست قرآن کے مطالعہ رکھنے کا آئینہ دار ہے، مرنے والوں میں اللہ کے مقرب بندے بھی ہوں گے، اللہ کو انھوں نے زندگی ہی میں راضی کرلیا تھا، ان کے لئے نعمت سے بھرپور جنت ہے، پھر دائیں ہاتھ میں نامۂ عمل رکھنے والے ہوں گے، جن کو فرشتوں کا سلام ملے گا، پھر اللہ کو جھٹلانے والوں کا ذکر ہے، جن کو آگ کے

ڈھیر میں داخل ہوتا ہے۔

کبھی کبھی آدمی موت کی تمنا کرتا ہے، حالات ایسے ہوجاتے ہیں، اس کا ذکر حضرت مریمؑ کے یہاں ولادت سے ہے، انہوں نے فرمایا تھا اے کاش! میں پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی۔

حضرت ابراہیمؑ کا جہاں بھی ذکر کلام پاک میں ہے وہ اس طرح سے ہے کہ ان سے اک دم محبت پیدا ہوجاتی ہے، ظالم بادشاہ کو کس طرح لاجواب کیا، سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے نکالنے کی بات کہہ کر بے بس کردیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی آزمائشوں میں ڈالا اور وہ الحمد للہ ہر آزمائش میں کامیاب رہے۔

مولانا کی کتاب یہاں پر ختم نہیں ہوئی ہے، ابھی بہت باقی ہے، لیکن تحریر طویل ہوتی جارہی ہے اور پھر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ کتاب کا لطف تو کتاب پڑھنے میں ہے، کتاب کے مندرجات قاری کے سامنے ہیں اسے پڑھیں اور ان معلومات کو دل میں بٹھالیں تاکہ اس کے نقوش ان کے ذہن میں محفوظ رہیں۔

یہ کتاب اتنی معلوماتی اور علمی ہے کہ اس کا ہر باب ایک نئی ریسرچ کا موضوع ہوسکتا ہے، اس حقیر لکھنے والے نے لکھنے کا ارادہ صرف اس لئے کرلیا کہ وہ ظلوماً جہولاً میں سے ہے، جس امانت کو اٹھانے سے آسمان اور زمین نے اپنے عجز کا اظہار کیا، اسی طرح کی اس امانت کو اس نے اٹھالیا، بس مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ کتاب کے حسن کی کوئی غایت نہیں مگر میرے لئے سخن پایاں ہے اب اس شعر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہارے تو ز دامانِ گلہ دارد

○○○

جس نے ستایا اس نے دعا لی

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

سارا جہاں تھا نور سے خالی — کفر کی شب تھی کالی کالی
گہرا سمندر موجیں بلا کی — ایک تھی کشتی ڈوبنے والی
بھیجا خدا نے ایک نبی کو — ڈوبتی کشتی جس نے نکالی
سارا عالم ہوگیا روشن — بھٹکے ہوؤں نے راہ بھی پالی
نام محمدؐ کتنا پیارا — ذات گرامی کتنی عالی
حسن سراپا خلق مجسم — اپنے پرائے سب کے والی
چاند بھی دم بھر تاب نہ لائے — آپ کا چہرہ اتنا جمالی
جان کا دشمن پھر بھی محبت — جس نے ستایا اس نے دعا لی
قتل جو کرنے آپ کو آیا — سامنے پہونچا آنکھ جھکالی
فرش سے پہونچا عرش تلک وہ — جس پہ نظر اک آپ نے ڈالی
آپ کی جس میں ہو نہ محبت — دل ہے وہ ایمان سے خالی
نعت نبی میں مست چمن کا — پتہ پتہ ڈالی ڈالی
اپنی اپنی سب کی نظر ہے — کوئی حقیقی کوئی خیالی
تیری نظر میں شیش محل ہے — میری نظر میں نور کی جالی
جس کا وطن بن جائے مدینہ — اس نے قسمت اپنی جگالی
خالق عشق مہر ومحبت — مالک ور حماں برتر و عالی

صدقہ کرم کا تیرے خدایا
مجھ کو عطا کر عشق بلالی

روداد سفر

لداخ میں اسلامی سرگرمیاں

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

لداخ اگرچہ کشمیر کا ایک حصہ ہے، لیکن اپنی روایات، ثقافت، بود وباش اور زبان کے اعتبار سے بہت کچھ مختلف ہے، لداخ کا مرکزی شہر لیہہ دنیا کے بلند ترین شہروں میں شمار کیا جاتا ہے، یہ شہر سطح سمندر سے تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، یہاں کی پہاڑیاں خشک اور برف پوش ہیں، بارش کم ہوتی ہے لیکن برف سے ڈھکی پہاڑوں کی چوٹیاں اس کی کمی کو پورا کرتی ہیں، جس سال برف باری کم ہوتی ہے اس سال پانی کی قلت ہوجاتی ہے۔

جغرافیائی اعتبار سے لداخ دو ضلعوں پر مشتمل ہے، لیہہ اور کرگل، لیہہ میں بودھوں کی کثرت ہے جب کہ کرگل میں مسلم آبادی زیادہ ہے، مجموعی طور پر مسلم آبادی لداخ میں ۴۵ر فیصد ہے، اس وقت لیہہ کی مقامی انتظامی خودمختار ہے، ہل کونسل کا چیف ایکزیکٹیو داخلی امور کی انجام دہی میں کلیدی رول ادا کرتا ہے، اس وقت حکومت کی توجہ لیہہ کی طرف زیادہ ہے، ترقیاتی کام زوروں پر ہے، ایسا لگتا ہے کہ چند سالوں میں یہ شہر سیاحت کا مرکز بن جائے گا، اور سیاح جس طرح ماضی میں کشمیر کی وادیوں میں، ڈل جھیل کی آبی نظاروں، جھیل ولر کے حسین مناظر، وادی لولاب کی دلآویزیوں، گلمرگ کے ابلتے چشموں اور شالیمار گارڈن کے حسن، پری محل اور دیگر مناظر میں کھو جاتے تھے، لداخ کا علاقہ اپنی فطری دلکشی اور انسانی سلیقہ مندی اور حسن ترتیب، امن وامان کے نتیجے میں قوس قزح کا سماں پیش کرنے لگے گا۔

لیہہ شہر خوبصورت اور صاف ستھرا ہے، پہاڑی کے ڈھلان پر بستا چلا گیا ہے، اس کے سرے پر وہاں کے راجہ کا قدیم محل موجود ہے، مغلیہ عہد میں یہ ایک باجگزار ریاست تھی، لیکن اس کے بہت پہلے اسلام اور داعی اسلام کی آمد نے اس کی فضا کو توحید آشنا بنادیا تھا، لیہہ کی جامع مسجد تقریباً چار سو سال پہلے مہاراجہ کے محل کے روبرو مرکزی مقام پر بنائی گئی تھی، آج لیہہ کے پر رونق بازار کا وہ مرکزی خطہ ہے۔

لداخ کے لوگ صلح جو، نرم خو اور مرنجاں مرنج طبیعت کے حامل ہوتے ہیں، کشمیر سے قربت اور پاکستان کی سرحد پر واقع ہونے کے باوجود یہاں پر امن وامان مثالی ہے، تین روزہ قیام کے دوران نہ کہیں سے گولی چلنے کی آواز آئی اور نہ ہی کسی انسانی اور غیر انسانی حادثہ کی خبر ملی، اس وقت وہاں سردی کی آمد ہے، اکتوبر کے اواخر تک کڑاکے کی سردی کی وجہ سے یہاں کی ساری رونقیں موقوف ہوجاتی ہیں، سیاحوں کی آمد نہ ہونے سے بازار، ہوٹلس اور دیگر کاروباری سرگرمیاں متاثر ہوتی ہیں۔

پہلی دفعہ انجمن معین الاسلام کی دعوت پر لداخ جانا ہوا، لیہہ جانے والا ہر اجنبی شخص ہوا کے دباؤ کی کمی سے کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوتا ہے، اس لئے فوجیوں کو بھی وہاں آنے پر چوبیس یا اڑتالیس گھنٹے آرام کے لئے مقامی اسپتال یا فوجی بیرکوں میں رکھا جاتا ہے، میرے میزبانوں نے بھی اس کا پہلے سے انتظام کررکھا تھا، ہنگی پیلیس ہوٹل میں قیام کا نظام کچھ اس طرح تھا، چوبیس گھنٹے آرام کے بعد وہاں کے پروگرام شروع ہوئے، ہوا کے دباؤ کی کمی وجہ سے تنفس میں دشواری ہوئی تو آکسیجن کا نظم بھی قیام گاہ ہی پر کردیا گیا، صبح وشام آکسیجن لینے کی ضرورت پڑتی تھی۔

انجمن معین الاسلام، لیہہ کے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم ہے، اس کے موجودہ صدر جناب محمد شفیع ایڈوکیٹ بڑے سرگرم، فعال اور اسلام پسند نوجوان ہیں، ان کے رفقاء اسلامی حمیت وغیرت رکھنے والے، اور دل وجان سے اس تنظیم کی انجمن آرائی کرنے والے مخلص معمار ہیں، حقیقت میں یہ تنظیم وہاں کی مسلم آبادی کی دینی، علمی، فکری رہنمائی کے ساتھ ان کی سیاسی ثقافتی ضرورتوں کو بھی پورا کرتی ہے، اس تنظیم کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس پورے شہر اور مضافات کے مسلمانوں کی زکوٰۃ کی رقوم یکجائی طور پر جمع کرکے، بیوگان، یتیموں کی سرپرستی نیز منظم طور پر اعلیٰ تعلیم کے لئے مسلم طلباء کے لئے اسکالرشپ کا نظم بھی کرتی ہے، تقریباً اس چھوٹے سے علاقہ سے دس لاکھ روپے یہ تنظیم جمع کرلیتی ہے، عوام وخواص کا اس انجمن پر بڑا اعتماد ہے، اس وقت ضلع لیہہ میں کئی پرائیوٹ ادارے مسلمانوں کے قائم کردہ تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں اسلامیہ پبلک انگلش میڈیم اسکول ممتاز ادارہ ہے، جہاں دینیات کے ساتھ مسلم بچے اور بچیوں کی تعلیم کا نظم ہے، اس کی عمارت سلیقہ سے بنی ہوئی ہے، سامنے وسیع لان اور میدان ہے، طلباء سے ملاقات ہوئی، خطاب بھی ہوا، اور ان کی تربیت کی بعض جھلکیاں قلب ودماغ کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں، اس ادارہ کی شاخ بھی مضافات میں ہے۔

جمعہ کے دن لیہہ کے مضافات میں ایک تاریخی مسجد شے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس مسجد سے مسلمانوں کو بڑی عقیدت ہے، مشہور ہے کہ حضرت سید میر علی ہمدانیؒ نے اس علاقہ میں آمد کے موقع پر اس کی تعمیر کی تھی، یہ مسجد قدیم طرز تعمیر پر بنی ہوئی ہے، مضبوط اور خوبصورت لکڑیوں کا استعمال اس کی تعمیر میں بکثرت ہوا ہے، وہاں کے لوگوں سے ملاقات ہوئی، مسجد کے متولی صاحب نے وہاں کی مقامی روایت کے مطابق سفید چمکتا ہوا رومال گلے میں ڈالتے ہوئے استقبال کیا، لداخ میں یہ طرز معروف ہے، مہمانوں کی پذیرائی، استقبال یا الوداع کے موقع پر یہ رومال سفید گلاب کے ہاروں کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا جہاں جہاں بھی جانا ہوا، اسی طرح استقبال کیا گیا۔

یہاں سے کچھ فاصلے پر ٹھکسے نامی بستی ہے، لیہہ کے بعد سب سے بڑی آبادی مسلمانوں کی یہیں پر

ہے، شیعہ سنی مسلمانوں کے پیشوا دینی رہنماؤں کا عام طور پر اسی بستی سے تعلق ہے، ہمارے دوست اور اس سفر کے محرک جناب مولانا محمد عمر صاحب ندوی بھی یہیں کے رہنے والے ہیں، آج وہ لیپہ جامع مسجد کے خطیب و امام اور وہاں کی تمام دینی سرگرمیوں کے روح رواں ہیں، ٹھکسے میں مدرسہ علوم القرآن قائم ہے، جس میں درجہ حفظ کی تعلیم ہوتی ہے، یہ ادارہ اس حیثیت سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس علاقہ میں اس کے علاوہ خالص دینی مدرسہ کوئی نہیں ہے، لیکن ابھی تک یہ ادارہ اپنی افادیت کو عام نہیں کرسکا ہے، لوگوں کا عام رجحان دینی نہ ہونے کی وجہ سے ذمہ داروں کو یہ شکایت ہے کہ طلباء نہیں ملتے، جو طلباء ہیں وہ اچھے سلیقہ مند ہیں، قرآن پاک اچھی طرح پڑھتے ہیں، مدرسہ علوم القرآن میں، قرآن پاک کی ضرورت پر مختصر تقریر ہوئی، جمعہ کی نماز لیپہ جامع مسجد میں ادا کی گئی، پورے شہر کا جمعہ ایک ہی جگہ جامع مسجد میں ہوتا ہے، اسی دن عصر کے بعد نوجوانوں سے بھی اسی مسجد میں خطاب ہوا۔

دوسرے دن مورخہ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۳ء کو "امن عالم کے قیام میں مذاہب کا کردار" کے موضوع پر سیمینار تھا، دریائے سندھ کے کنارے ایک مسلم ہوٹل کے خوبصورت ہال میں یہ سیمینار ہوا، لیپہ کے بہت سے بودھ لاما، چیف ایکزیکیٹو، معاشی وٹکنالوجی کے وزیر کے علاوہ کرسچن پادری، شیعوں کے مجتہدین، اسکالر، یوتھ فیڈریشن کے ارکان، مسلم اور غیر مسلم انٹلکچول طبقے کے افراد بڑی تعداد میں شریک ہوئے، انجمن معین الاسلام کے صدر جناب محمد شفیع صاحب اور جامع مسجد کے امام و خطیب جناب مولانا محمد عمر صاحب ندوی اور ان کے رفقاء نیز معین الاسلام کے کارکنان کی کوششوں کے نتیجہ میں بفضل ایزدی پروگرام بہت کامیاب ہوا، راقم الحروف کی حیثیت مہمان خصوصی کی تھی، دوسری نشست دوپہر کے کھانے کے بعد شروع ہوئی، ندوی کے خطاب کے ساتھ دوسری نشست کا آغاز ہوا، امن کی ضرورت اور امن کے قیام میں اسلام کے رول پر ندوی نے روشنی ڈالی، اور خاص طور پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ان کی تحریک پیام انسانیت کا تذکرہ اس موقع پر کیا گیا حضرت مولاناؒ کی تقریروں اور مقالات پر مشتمل کتابچوں کو اس موقع پر حاضرین وسامعین تک پہونچانے کی بھی کوشش کی گئی، یہ سیمینار صبح گیارہ بجے سے شام چھ بجے تک جاری رہا، اور سامعین بڑے انہماک وشغف کے ساتھ شریک رہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں شرح خواندگی کم ہے، لیکن یہاں کے مسلمان اس میدان میں بہت آگے ہیں، یہاں مسلمانوں میں شرح خواندگی سو فیصد ہے، کئی نوجوان آئی اے ایس اور آئی پی ایس کے امتحانوں میں شریک ہوکر کامیاب ہوچکے ہیں، ڈاکٹرس، انجینئرس کی کھیپ ملک کے دیگر اداروں میں پڑھ کر تیار ہورہی ہے۔

لیپہ کے مسلمانوں کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، ان کی منظم زندگی مثالی ہے، البتہ ایک چیز جو کھٹکتی ہے وہ سیاحتی پٹی ہونے کی وجہ سے مسلم نوجوانوں کے عادات و اخلاق کے متاثر ہونے کا خدشہ ہے، اور اثرات ظاہر بھی ہونے لگے ہیں، لہذا توجہ اور اہتمام کی ضرورت ہے، انجمن معین الاسلام کے ذمہ داروں پر اس صورتحال کے بدلنے کی پوری ذمہ داری ہے۔

لیپہ کے قیام کے دوران وادی نمبرہ کے ترتوک علاقے کے علماء کے وفد سے بھی ملاقات ہوئی، یہ وادی سرحد کے قریب ہونے کی وجہ سے آئے دن ہندوپاک کی سیاسی آویزشوں کا شکار رہتی ہے، اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی سے گذر کر پیالہ نما وادی میں قدم رکھا جاسکتا ہے، یہ وادی سرسبز وشاداب ہے، طرح طرح کے میووں کے لئے مشہور ہے، عمدہ سیب بھی اس علاقہ میں پایا جاتا ہے، لیپہ کا یہ زرخیز خطہ ہے، یہاں کے علماء دارالعلوم ندوۃ العلماء سے خصوصی عقیدت رکھتے ہیں، یہاں کی بچیاں لکھنؤ اور رائے بریلی کے مدرسۃ البنات میں زیر تعلیم ہیں، اور کئی لداخی بچے ندوۃ العلماء اور اس کی شاخوں پر پڑھ رہے ہیں، مولوی محمد عمر صاحب ندوہ کے تعلیم یافتہ ہیں اور اپنے حلقہ میں بااثر ہیں، اور ان سے فائدہ پہونچ رہا ہے، ترتوک کے لوگوں کا اصرار تھا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کا کوٹہ مقرر کردیا جائے تاکہ یہاں کے بچے بڑی تعداد میں ندوہ سے استفادہ کرسکیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے شیدائیوں کا یہ علاقہ ہے، اس شہر میں حضرت کے کئی ایک دست گرفتہ ہیں، جنہیں حضرت مولاناؒ کی ذات والا صفات سے والہانہ عقیدت ہے، جناب مولانا محمد عمر صاحب ندوی اور بھائی عبدالرشید صاحب حضرت سے خصوصی ربط رکھنے والے ہیں، بھائی عبدالرشید صاحب اورنگی پیلس کے مالک جناب محمد دائم صاحب نے خدمت کا حق ادا کردیا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازے، اور اس خطہ کو اسلام کی آبیاری کے لئے قبول فرمائے۔ آمین

* * *

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی دو تازہ تصنیفات:

☆ قرآن کریم - تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ

قیمت -/200 روپے

☆ تاریخ تدوین سیرت

قیمت -/100 روپے

ملنے کا پتہ:-

دارالعلوم سبیل السلام مدینۃ العلم

Salala,Barkas,

HYDERABAD-500005

(A.P.)

مکتبہ ندویہ، ندوہ، لکھنؤ

تعارف وتبصرہ

کتابوں کی دنیا

محمود حسن حسنی ندوی

نام کتاب: خطبات سعید احمد

مرتب: مولوی عبدالباری قاسمی

ناشر: مکتبہ سعید، دیوریا صدر، یوپی

یہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سچے اور وفادار امتی داعی الی اللہ حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحبؒ کے خطبات کا مجموعہ ہے اور اس میں خطبات سے پہلے مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن) کے قلم سے مولانا علیہ الرحمہ کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کردیا گیا ہے، یہ سوانحی خاکہ جس میں ان کے تبلیغی دوروں کی جھلک اور ان کے اوصاف وخصوصیات کا اجمال آگیا ہے، مستقل طور پر مختلف مکتبات پہلے ہی شائع کرچکے ہیں، ان کے خطبات پانچ نوعیت کے ہیں علماء سے خطاب، تاجروں کو مخاطبت، عربوں کو تذکیر، دعوت کے کام میں پہلے سے لگے افراد میں بیان اور عمومی خطاب، کتاب کو سو سے کم صفحات میں سمیٹ دیا گیا ہے، قیمت درج نہیں ہے۔

☆☆☆

نام کتاب: النصیحۃ لإثبات الوسیلۃ

مؤلف: مولوی صہیب احمد خاں بلند شہری

شائع کردہ: مکتبہ ابویحییٰ ملت روڈ، دودھ پور، علیگڈھ

"....یہ قرآن وحدیث اور فقہ وفتاوی کی روشنی میں وسیلہ کی مفصل مدلل تحقیق کا جامع رسالہ ہے۔" یہ دعوی ہے ناشر کتاب کا، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ مؤلف رسالہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں سلف صالح کے مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے ربانی علماء کی نگرانی میں اس رسالہ کو ترتیب دیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں جو افراط وتفریط افرادامت کے درمیان پایا جارہا ہے اس کو دور کرسکیں وسیلہ کے سلسلہ میں علماء کی آراء میں حضرت تھانویؒ کی یہ رائے بڑی بلیغ ہے کہ وسیلہ کا انکار شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت کا انکار قرآن کا انکار ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود یعنی مقام شفاعت عظمی کے اعزاز سے مشرف فرمایا ہے۔ الخ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل ہو یا نیک لوگوں کی دہائی دے کر دعا کی جائے، نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر اللہ سے خیر طلب کیا جائے تو ربانی علماء کے نزدیک اس میں تواضع اور عبدیت کی شان زیادہ پائی جاتی ہے اور اس میں اپنی ذات کا انکار ہوتا ہے، سیدنا عمر بن الخطاب کا توسل بالنبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم اور توسل بہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح حدیث سے ثابت ہے، تو کیوں ہم توسل بأتباع النبی نہیں کرسکتے، نتیجہ بحث یہ ہے کہ ہر دعا کرنے والے کی کیفیت ایک جیسی نہیں ہوا کرتی، ہر ایک کا حال مختلف ہوتا ہے، جس میں عبدیت و تواضع کی شان زیادہ ہو وہی مناسب ہوتا ہے، لیکن شرک کی بو ذرا بھی محسوس کی جائے تو اس حال کو دور کرلینا چاہئے، شرک ایسی گندگی ہے جس کی ہلکی سی بو ایمان والا محسوس کرلیتا ہے، اگر اس وقت اس حال کو باقی رکھا گیا تو اس بو کو محسوس کرنے کی حس باقی نہیں رہتی، وسیلہ میں کمزور ایمان والوں سے اس بات کا سنگین خطرہ پایا جاتا ہے، اس لئے علماء عوام کو اسی بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ اس حدیث پاک پر پورے طور سے عمل کرو کہ "بندے کو چاہئے ہر چیز اپنے رب سے مانگے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے۔" اللہ کو توسل کی ضرورت نہیں، اللہ اپنے بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اہل بدعت نے وسیلہ کو اختیار کرنے میں غلو کیا، اور انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جو سراسر ناجائز و حرام ہے دوسری طرف بعض غیر محتاط حضرات نے وسیلہ سے عدم مناسبت کا وہ رویہ اختیار کیا جس سے کبر کی بو آتی ہے، اور عبدیت کی شان سے محرومی ہوتی ہے فاضل مؤلف نے تمام باتوں کا اچھا جائزہ لیا، اور معتبر حوالوں اور مناسب دلائل سے وسیلہ کی شرعی حیثیت کو پیش کیا ہے، قیمت درج نہیں، البتہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی بیش قیمت تقریظ شامل کتاب ہے۔

☆☆☆

نام کتاب: قرآن میں کیا ہے؟

مؤلف: ابن غوری (نلگنڈہ اے پی)

شائع کردہ: آئی، جی، ایس، پبلشرز حیدرآباد

صفحات: ۳۶۲

قیمت: 120/=

نابغۂ عصر عالم دین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے مقدمہ، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تقریظات سے مزین طباعت کے اعلی معیار پر جناب ابن غوری صاحب کی یہ کتاب حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، اور مکتبۂ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

کتاب کے مشمولات جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات، اور عقائد واحکام ہیں، مصنف ایک باب میں ایک یا دو سورتوں کو لیتے ہیں، اور اس میں بیان کردہ واقعات کو، پھر عقیدہ کو اور پھر احکام کو آسان اردو زبان میں دلنشیں اسلوب کے ساتھ بیان کردیتے ہیں، اطناب سے پرہیز کرتے ہیں، اور ایجاز کو اختیار کرتے ہیں، کہیں کہیں ترتیب بدل بھی دیتے ہیں، عقائد کو مقدم کرکے واقعات اور احکام کو مؤخر کردیتے ہیں، یہ پہلی جلد ہے اس میں سورۂ کہف تک سورتوں کا تعارف ایسا کرایا گیا ہے کہ سورت کا پورا خلاصہ اور مضامین کے اہم گوشے قاری کے سامنے آجائیں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے موصوف مصنف کے تفسیری افادات وترجمہ نقل کرنے میں احتیاط کی بھی تعریف کی ہے، امید ہے دوسری جلد

یہ پہلی جلد ہے، اگلی دو جلدیں سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ اور سورۂ یونس تا سورۂ کہف پر مشتمل ہیں اور اس منظوم ترجمہ کا کام ابھی جاری ہے۔

''صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' کو اس طرح نظم کیا ہے گ:

راہ ایسے لوگوں کی اے بے نیاز!
جو تھے تیری نعمتوں سے سرفراز
جن پر قہر رب کبھی ٹوٹا نہیں
جو تھے تیری رہ سے گم گشتہ نہیں

☆☆☆

نام کتاب :تحفۂ تراویح
مرتب :عبدالرحیم فلاحی
شائع کردہ :جامعہ اشاعۃ العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر۔
صفحات :۱۰۰

ممتاز علماء کرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (حیدرآباد) مولانا غلام محمد دستانوی صاحب، (اکل کوا) قاری ابوالحسن اعظمی صاحب (دارالعلوم دیوبند) کی تقریظات اس کتابچہ میں شامل ہیں، مؤلف موصوف نے یہ معمول بنایا تھا کہ روزہ تراویح کے بعد اس میں پڑھی گئیں آیات کریمہ کا خلاصہ بعد تراویح پیش کردیا کرتے، چنانچہ ستائیس تراویح میں کلام پاک مکمل ہونے پر ستائیس تقاریر کا یہ مجموعہ سامنے آگیا، اس طرح مضامین قرآن کا ایک اچھا خلاصہ مرتب ہوگیا، مولانا عبدالرحیم صاحب ایک اچھے حافظ قاری ہونے کے ساتھ عالم دین ہیں، اور جامعہ اشاعت العلوم میں استاذ ہیں۔

کتاب کی قیمت ۲۵ روپے ہے۔

☆☆☆

نام کتاب :تمرین النحو مع القواعد جزء ثانی
تالیف :سید عنایت اللہ ندوی (استاذ مدرسہ بیت العلوم سندگی بیجاپور)
ناشر :جمعیۃ السنۃ الخیریہ بھٹکل۔
صفحات :۱۲۲
قیمت :۲۰ روپے

تمرین النحو کا پہلا حصہ مولانا مصطفیٰ ندوی اور مولانا عبدالماجد ندوی نے تیار کیا تھا جو ندوۃ العلماء کے تمام مدارس میں داخل نصاب ہے، جو عربی زبان کے قواعد کو سمجھنے کے لئے بڑی سہل کتاب ہے، اب اس کا دوسرا حصہ مولانا عنایت اللہ ندوی صاحب نے تیار کیا ہے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ ''اس میں اسباق کے ساتھ مشقیں اور سوال و جواب بھی شامل کئے گئے ہیں، میں مولوی عنایت اللہ صاحب ندوی کی علمی و تعلیمی صلاحیت سے واقف ہوں انہوں نے یہ کام سلیقہ سے کرنے کی کوشش کی ہے۔''

یہ کتاب عربی زبان وادب کے ماہرین کی نظر ثانی کے بعد شائع کی گئی ہے، اور اس میں اس جدید طریقہ کی رعایت رکھی گئی ہے جس کی ضرورت نحو سے ذوق وتجربہ رکھنے والے حضرات عرصہ سے محسوس کررہے تھے، امید ہے کہ یہ کتاب قبولیت عام حاصل کرے گی۔

☆☆☆

حضرت امیر شریعت علیل

دعائے صحت کی درخواست

امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب مدظلہ العالی اوائل شوال سے علیل ہیں اور پٹنہ میں زیر علاج ہیں ہم سب اللہ رب العزت سے حضرت امیر شریعت مدظلہم کی جلد وکامل صحت یابی کے لئے دعا گو ہیں اور قارئین کرام سے بھی حضرت امیر شریعت کی صحت یابی کے لئے دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔

نام کتاب :تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ
مؤلف :مولانا محبوب احمد ندوی ابن حضرت مولانا محمد قمرالزماں الہ آبادی۔
شائع کردہ :مکتبہ دارالعارف، وصی آباد، الہ آباد، انڈیا
قیمت :100/=

مصنف کتاب نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بعض ان مشائخ کو بھی اس کتاب میں جگہ دی ہے جو حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ کے سلسلہ میں نہیں آتے ہیں، مگر وہ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے عالی مرتبت شیوخ میں تھے جن سے اس سلسلہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا، اور احیائے سنت، ترویج شریعت اور بدعات کے خاتمہ کا بڑا عظیم کام انجام پایا، ان بزرگوں میں خصوصیت کے ساتھ حضرت شاہ علم اللہ حسنی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ غلام علی دہلوی، مولانا خالد کردی اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے اسماء گرامی ہیں۔

کلمات نقشبندیہ (جن پر اس طریقہ کی بنیاد ہے) کی وضاحت وتشریح پر چند صفحات ہیں، پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کا مضمون ''تصوف کتاب وسنت کی روشنی میں'' شامل کتاب ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ہدایات ونصائح سے بھی یہ کتاب مزین ہے اور یہی خاتمہ الکتاب ہیں۔

☆☆☆

نام کتاب :قرآن منظوم جلد اول (از سورہ فاتحہ تا سورۂ نساء)
مترجم :پروفیسر محمد سمیع اللہ اسعد (سابق صدر شعبۂ عربی، مولانا آزاد کالج کلکتہ۔)
تقسیم کار :عرفان پبلیکیشنز، B-27, Salt Lake City KOLKATA
صفحات: ۲۰۰
قیمت: ۱۵۰ روپے

مدارس دین کے قلعے ہیں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی ایک تقریر

سخن دلنواز

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وأصحابہ ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین أما بعد!

بزرگو اور دوستو! ابھی مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء آپ کو خطاب فرمارہے تھے بہت مختصر تقریر کی لیکن انھوں نے بہت ضروری اور اہم باتیں آپ کے سامنے رکھیں، تقریر بہت مختصر ہوئی ہے لیکن پُرمغز ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور وہ بات یہ تھی کہ آخرت مومن کے لئے اصل فکر کی چیز ہے یہ دنیا اللہ کی بنائی ہوئی ہے جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے اور جس سے سابقہ پڑتا ہے وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔

یہ جو مواد ہے اسی مٹی سے نباتات اور حیوانات ہیں یہ سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور جن چیزوں کو ہم ذرائع میں شمار کرتے ہیں اور جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اپنی صحت بنانے کے لئے اپنی راحت وآرام کے لئے، اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے یہ سارے وسائل اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ نے یوں ہی نہیں بنادیا بلکہ اس میں مصلحتیں رکھی ہیں اور ان کا مقصد رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا عبث نہیں بنائی، بیکار نہیں بنائی اور تم سب کو بیکار نہیں پیدا کیا کہ یونہی کچھ نہ سہی تو ایک مخلوق بنادی اور ایک دنیا بنادی ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ایک مقصد کے تحت ہے یہ سب اللہ کا بنایا ہوا ہے، زمین کے اندر اور فضا میں جو چیزیں بھی ہیں سبھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدہ کے لئے اور ان کی سہولت و آرام کے لئے رکھی ہیں اور ہم کو حکم ہے کہ ہم ان کو استعمال کریں اور اپنی ضرورت ان سے پوری کریں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ چیزیں بنی بنائی موجود تھیں کسی نے بنائی تھیں یا خود بن گئی تھیں اور اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں یا نہیں! یہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بنائی ہیں کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں یہ کیوں ہوا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ یہ اس لئے کہ اللہ نے دنیا کو ایک منزل کا راستہ بنایا ہے اصل منزل نہیں ہے جہاں پہونچنا ہے بلکہ راستہ میں یہ سب منزلیں ہیں دور ایک منزل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسافر ہو راستہ میں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو اور اس کے بعد وہ آرام کرنے کے بعد وقت گذارنے کے بعد وہاں سے چلا جائے تو یہ دنیا ایسی ہی ہے، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم نے تم کو یہ ساری نعمتیں دیں یہ ساری سہولتیں دیں، یہ سارے ذرائع دئے، یہ وسائل دئے تمہاری زندگی کی ساری ضرورتیں ہم نے یہاں پیدا کردی ہیں اور دوائیں دیں جن کو ہم دوائیں کہتے ہیں وہ اشیا ہیں جو زمین میں نباتات و جمادات سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں جن میں فائدہ اللہ نے جان بوجھ کر رکھا ہے کہ اس سے ہم اپنی صحت کو بنائیں اور اپنی ضرورت پوری کریں، یہ سب کس لئے؟ اس لئے ہے کہ ہم آخرت میں اللہ کو راضی کرسکیں اور آخرت میں فائدہ اٹھاسکیں، آخرت کی زندگی اللہ نے بہت طویل بہت لمبی نہ ختم ہونے والی بنائی ہے، یہ دنیا مختصر بنائی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کتنی مختصر ہے یہ مختصر زندگی اس لئے ہے کہ اس میں ہم اللہ کو راضی کرنے کا سلیقہ اختیار کریں اور ان باتوں پر چلیں جن پر اللہ ہمیں چلانا چاہتا ہے اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم اس کا شکر ادا کرتے یا نہیں اس نے ہمیں پیدا کیا اور ساری نعمتیں اور سہولتیں ہمیں عطا فرمائیں کہ شکر گذار بندے بنتے۔ ہیں یا نہیں بنتے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں کرتے کہ یہ سب اللہ نے ہمیں دیا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو مانتے ہیں کہ نہیں مانتے اس کو دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس دنیا میں پیدا کیا اور اس دنیا میں ہمیں زندگی دی اور ہم کو وہ دیکھتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کیسے گذارتے ہیں؟ ہم آخرت کی فکر کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں یا صرف دنیا ہی سے وابستہ ہوکر زندگی گذارتے ہیں، اس لئے ہمیں اس بات کی فکر کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو ہمارا کام ایسا ہو جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور اللہ کی مرضی کے مطابق کیسے ہوگا ہم نیت اس بات کی کریں کہ اللہ نے ہم کو جن چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے اور ہم کو اللہ نے اپنی زندگی کو آرام کے ساتھ گذارنے کی اجازت دی ہے اور ہمیں جن چیزوں کو ضرورت کے تحت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے وہ ہم سے شکر چاہتا ہے شکر کیسے؟ عبادت کے ذریعہ سے، اچھے اخلاق کے ذریعہ سے لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھنے کے ذریعہ تکلیف زدہ آدمی کی مدد کے ذریعہ۔ اگر ضرورت مند ہے تو اس کی ضرورت کی فکر کرتے ہوئے یعنی اچھے کاموں کو اختیار کرکے ہم اللہ کو راضی کرسکتے ہیں، یہ سب کام اللہ نے جن کو بتادیا ہے اپنے نبی کے ذریعہ سے کہ یہ کام اچھے ہیں اور یہ کام برے ہیں ان باتوں سے ہم ناخوش ہوتے ہیں اور ان باتوں سے ہم خوش ہوتے ہیں یعنی تم سب کچھ کرو لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ اس طریقہ سے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے، اللہ راضی ہوتا ہے اور ہم اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں، اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں اپنے دوست واحباب کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، ان کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں یہ سب کام اللہ کو راضی کرنے والے ہیں بشرطیکہ اس میں ہماری نیت اللہ کو راضی کرنے کی ہو اس لئے ان سب باتوں کا حکم اللہ نے ہم کو دیا ہے کہ ماں باپ کا خیال رکھو اعزہ کا خیال رکھو لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آؤ، رحم دلی اختیار کرو کسی پر ظلم نہ کرو کسی کی حق تلفی نہ کرو جھوٹ نہ بولو، امانت داری اختیار کرو یعنی وہ باتیں جن کو ہم سب اچھی باتیں مانتے ہیں جب ہم ان کو اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے کریں گے تو اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور وہ چیز آخرت میں ہمارے لئے ثواب کا ذریعہ بنے گی بس ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کریگا اپنی نیت سے یعنی جو سارے کاموں

میں اللہ کو راضی کرنے کی نیت رکھے گا اور اللہ کو راضی کرے گا اللہ کو راضی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں وہ کامیاب ہوگا اور آخرت میں اس کو ساری چیزیں اجر کے طور پر ملیں گی، مسلمان اور غیر مسلمان میں یہی فرق ہے مومن اور غیر مومن میں یہی فرق ہے کہ ہم زندگی کی ساری سہولتیں اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح ایک غیر مومن اختیار کرتا ہے لیکن مومن کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ساری چیزوں میں اللہ کی رضا سامنے رکھتا ہے اور ان چیزوں کو اسی طرح استعمال کرتا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اپنی زندگی اس طریقہ سے گذارتا ہے جس سے اللہ راضی ہوجائے، اور غیر مومن کافر انھیں کاموں کو کرتا ہے لیکن اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے اور اپنے لئے کرتا ہے تو دیکھنے میں زیادہ فرق نہیں معلوم ہوگا لیکن ایک آدمی انھیں کاموں کی وجہ سے جہنم میں چلا جائے گا اور دوسرا آدمی انھیں کاموں کی وجہ سے جنت میں جائے گا، کچھ لوگ ہر کام میں اللہ کی رضا پیش نظر رکھتے ہیں تو وہی جنت میں داخل ہوں گے، اور جو ان کاموں کو اپنی خواہش اور نفس کے لئے کرے گا اللہ کے حکم کے خلاف کرے گا اس کو راضی نہیں کرے گا تو آخرت میں اس کے لئے تباہی کا خطرہ ہے اور جہنم میں جانے کا خطرہ ہے۔

بزرگو اور دوستو! یہ جلسہ جو آپ کے سامنے منعقد ہوا انعامات تقسیم ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ جن طلبہ نے محنت کی تھی انھیں انعام ملا جو طلبا اول آئے، طلبہ دینی تعلیم حاصل کررہے ہیں دینی تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ علم جو ہم کو حاصل ہوتا ہے دو طرح کا ہوتا ہے ایک علم وہ ہے جو ہم اپنے تجربہ سے، اپنے مطالعہ سے اور مشاہدہ سے حاصل کرتے ہیں اور اس سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اس سے تجارت کرتے ہیں، چیزیں تیار کرتے ہیں یہ سب اس علم سے تعلق رکھتے ہیں جو ہم کو تجربہ و مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن ایک علم وہ ہے جس کو ہم اپنے تجربہ سے حاصل نہیں کرسکتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے جو اپنے بندوں کو وحی کے ذریعہ بھیجتا ہے، وہ آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے اور دنیا میں راحت و آرام و عافیت پہونچتی ہے، یہ دونوں علم بہت ضروری ہیں وہ علم جو ہم تجربہ و مشاہدہ سے حاصل کرتے ہیں وہ اس لئے ضروری ہے کہ دنیا میں راحت و آرام کے ساتھ زندگی گذاریں اور اپنی ضرورت پوری کرسکیں اور وہ علم جو وحی الٰہی کے واسطہ سے حاصل ہوا ہے انبیاء کے واسطہ سے حاصل ہوا ہے اس علم کی ضرورت ہم کو اس لئے پڑتی ہے کہ ہم اللہ کو راضی کرسکیں اور آخرت کو بناسکیں تو ہمارے یہ مدارس جو دینی مدارس کہلاتے ہیں اور دینی مدارس ان میں بچوں کو اس علم کو پڑھانے اور سکھانے کی فکر کی جاتی ہے اور اس علم کی اہمیت دنیاوی علم کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے اس علم کے ذریعہ انسانیت کا درس دیا جاتا ہے اور ہم کو اللہ کو راضی کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور اخلاقیات سے آراستہ کیا جاتا ہے پھر جو لوگ اس علم کو حاصل کرتے ہیں وہ دوسروں کو یہ علم پہونچاتے ہیں، جس طریقہ سے ایک مسلمان کو مسلمان بنانے اور مسلمان رہنے کا جو طریقہ ہے اس کی ہدایات اسی علم سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں جو ان مدارس میں پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے اس لئے ہماری بڑی ضرورت ہے کہ ہم اس علم سے واقف ہوں جس سے ہماری آخرت بنتی ہے اور جس میں ہماری کامیابی ہے اور اس علم کی جو تجربہ و مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اس کی بھی ضرورت اس لئے ہے کہ دنیا میں ہم اپنے معاملات انجام دے سکیں اور دنیا میں اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرسکیں تو ایک مسلمان کو دونوں علموں کی ضرورت ہے، اسی لئے یہ مدارس قائم ہیں اور ان میں وہ علم سکھایا جاتا ہے کہ کچھ افراد ضرور ایسے تیار ہوجائیں جو لوگوں کو یہ بتاسکیں اور اپنے لئے بھی وہ راستہ متعین کرسکیں وہ راستہ بتاسکیں جس راستہ کے ذریعہ اللہ کو راضی کیا جاسکتا ہو جو آخرت کی کامیابی کا راستہ ہو اس لئے ان مدارس کی قدر کرنی چاہئے اور ان مدارس کو جگہ جگہ قائم ہونے چاہئیں تاکہ ایمان و یقین کی باتیں لوگوں تک پہنچتی رہیں اور اللہ کو راضی کرنے کے طریقے لوگوں کو بتائے جاسکیں اسی لئے اس ضروری علم کو حاصل کرنے کے لئے یہ مدارس قائم ہیں اگر یہ نہ ہوں تو اس کے لئے کوئی راستہ نہ رہ جائے گا، یہ مدرسے پاور ہاؤس کے مانند ہیں جس طرح پاور ہاؤس سے پورے شہر گاؤں میں بجلی پہونچتی ہے اسی طرح ان مدارس میں جو علم سکھایا پڑھایا جاتا ہے وہ پورے شہر اطراف شہر میں پھیلایا جاتا ہے جو جس طرح لائٹ، پاور ہاؤس کی ضرورت ہے اگر وہ نہ ہوں تو پورا شہر، پورا گاؤں تاریک نظر آنے لگے ٹھیک اسی طرح ان مدارس کا معاملہ ہے اگر یہ نہ ہوں تو وہ علم جس سے ہماری آخرت سنورتی ہے اللہ راضی ہوتا ہے اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے ہم اس عظیم الشان علم سے واقف نہ ہوسکیں اور تاریکی میں بھٹکتے رہیں تو گویا یہ دین کے پاور ہاؤس ہیں۔

اللہ کی رضا جوئی ہی ہمارا اصل مقصد ہو، ہر کام اور ہر عمل میں آخرت کی کامیابی پیش نظر ہو مدارس دین کا پاور ہاؤس ہیں، تمام عالم اسلام بلکہ تمام انسانی آبادی میں کرنٹ یہیں سے تقسیم ہوتا ہے، مدارس دین کے قلعے ہیں، ان کی حفاظت و بقا ہماری ذمہ داری ہے، مدارس پر جو الزام لگائے جارہے ہیں ان کی کردار کشی کی جاری ہے یہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ایسا کیا جارہا ہے کیونکہ مدارس اسلام کے سوتے ہیں، جب سوتے خشک ہوجائیں گے تو دین کہاں باقی رہ جائے گا جس طرح پانی کا سوتا جہاں سے پانی آتا ہے وہ خشک ہوجائے تو پانی کہیں نہیں ملے گا، اسی طرح یہ مدارس ہیں۔

☆☆☆

(مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ کے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات میں کیا گیا خطاب، بہ شکریہ جناب وسیم صدیقی ندوی)

عالمی خبریں

سید معید اشرف ندوی

سعودی عرب میں دہشت گردی کے ممکنہ خدشات کے باوجود عمرہ زائرین کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ زائرین سے بھرے ہوئے ہیں جبکہ کنگ عبدالعزیز ائرپورٹ پر اضافی پروازیں آرہی ہیں، ائرکرافٹ ہینڈلنگ ایجنسی کے محمد اصغر نے کہا ہے کہ امسال رمضان المبارک میں زائرین کی تعداد گزشتہ برس کی نسبت زیادہ رہی ہے، ۱۶۰۰ سے ۱۷۰۰ غیر ملکی پروازوں کو ہینڈل کیا گیا ہے جن میں عمرہ کے لئے ۱۴ لاکھ ۵۰ ہزار زائرین آئیں، ان زائرین میں نصف سے زائد ۲ لاکھ ۶۴ ہزار ایران ائر کے ذریعہ آئیں جب کہ دوسرے نمبر پر پی آئی اے ائرلائن ایک لاکھ عمرہ زائرین کو لایا۔

فرانسیسی وزیر خارجہ نے اپنے ایک بیان میں جن حقائق کی نشان دہی کی ہے، انہیں جھٹلانا ممکن نہیں، انھوں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ عراق اور افغانستان دونوں ہی امریکہ کے لئے ایک ایسی دلدل بن گئے ہیں جس میں آگے بڑھنے کی کوشش کسی بھی صورت دانش مندی نہیں ہے، عوامی مزاحمت کو ختم نہیں کیا جاسکتا، یہ سبق امریکہ نے اگر ویت نام میں اپنے اور افغانستان میں روس کے تجربے سے نہیں سیکھا تھا تو اب سیکھ لینا چاہئے، صدر بش اور ان کے ساتھیوں کو اپنی انا سے بالاتر ہوکر حالات کا جائزہ لینا چاہئے، انہیں دیکھنا چاہئے کہ گیارہ ستمبر کے بعد دہشت گردی کے خاتمے کی مہم کے نام پر اختیار کی گئی ان کی غیر منصفانہ پالیسیوں کے نتیجے میں امریکہ کا امیج دنیا میں بہتر ہوا ہے یا خراب اور دہشت گردی کم ہوئی ہے یا ناقابل تصور حد تک بڑھ گئی ہے، یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو امریکہ اس مہم جوئی سے پہلے پوری دنیا کے لئے آزادی، جمہوریت، انسانی حقوق کی علامت تھا آج جبر و استبداد اور استعماریت کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے، وہ ایک طرف عراق اور افغانستان میں اپنے اور اپنے اتحادی ملکوں کے سپاہیوں کی جانیں بھی گنوا رہا ہے اور دوسری طرف شدید بدنامی بھی مول لے رہا ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ آج نہیں تو کل امریکہ کو ان مقبوضہ ملکوں سے ویت نام کی طرح نکلنا پڑے گا، تو پھر یہ فیصلہ آج ہی کیوں نہ اختیار کرلیا جائے، سچی بات یہ ہے کہ ہوش مندی کا راستہ یہی ہے۔

امریکہ میں آئے دن بڑھتے ہوئے جرائم کا اندازہ امریکی جیلوں میں قیدیوں کی تعداد میں اضافے سے بھی لگایا جاسکتا ہے، ورنہ بہت سارے مجرم ایسے بھی ہوتے ہیں جو یا تو پولیس کی پہنچ سے باہر ہوتے ہیں یا الزام سے بری کردیئے جاتے ہیں، اس کے باوجود امریکی جیلوں میں مجرمین کی بڑھتی ہوئی تعداد نے امریکی معاشرہ کو قیدیوں کے معاشرے میں تبدیل کررکھا ہے۔

حالیہ امریکی وزرت عدل کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت امریکی جیلوں میں ۲۰ لاکھ سے زائد افراد قید ہیں، یوں گزشتہ سال کی نسبت ان میں تقریباً ۲ فیصد اضافہ ہوا ہے یعنی ہر ہفتہ ۷۰۰ قیدیوں کا اضافہ ہورہا ہے، بالفاظ دیگر امریکی عوام کے ۱۴۳ افراد میں سے ایک فرد پس دیوار زنداں ہوتا ہے، ان قیدیوں میں ایک تہائی سیاہ فام ہیں جن کی عمریں ۲۰ سے ۲۹ سال کے درمیان ہیں۔

روس کی ریاست جمہوریہ کاریلیا مین جمعہ کی نماز سے باقاعدہ نئی مسجد کا افتتاح عمل میں لایا گیا، فن لینڈ کی سرحد سے متصل ریاست کاریلیا میں قائم کی جانے والی یہ اس سال تیسری بڑی مسجد ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ بیس ہزار بتائی جاتی ہے، ۱۹۹۳ء سے یہاں کے مسلمانوں میں دینی اعتبار سے وابستگی میں اضافہ ہوا، چنانچہ تمام مسلمانوں کی نمائندہ ایک تنظیم تشکیل دی، اس پلیٹ فارم سے یہاں کے مسلمان مقامی پارلیمنٹ میں اپنا نمائندہ بھیجنے میں بھی کامیاب ہوئے، مساجد کے علاوہ مدارس مقامی مسلمانوں نے تعلیم و تدریس کے لئے کئی ایک مدارس بھی قائم کئے ہیں جن میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔☆☆

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی و عصری تعلیم کے اہم مراکز

برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا

اور

برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ بانی و ناظم اعلیٰ

فون: 0091-755-2543466, 2642715

Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Lucknow

2004
مطابق ۱۴۲۴-۱۴۲۵ھ

پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ
اشاعت کے ۱۴ سال

January	ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ	February	محرم ۱۴۲۵ھ	March	صفر ۱۴۲۵ھ
SUN اتوار	4 ۱۰ 11 ۱۷ 18 ۲۴ 25 ۳	SUN اتوار	1 ۹ 8 ۱۶ 15 ۲۲ 22 ۳۰ 29 ۷	SUN اتوار	7 ۱۴ 14 ۲۱ 21 ۲۸ 28 ۵
MON پیر	5 ۱۱ 12 ۱۸ 19 ۲۵ 26 ۴	MON پیر	2 ۱۰ 9 ۱۷ 16 ۲۴ 23 عزم	MON پیر	1 ۸ 8 ۱۵ 15 ۲۲ 22 ۲۹ 29 ۶
TUE منگل	6 ۱۲ 13 ۱۹ 20 ۲۶ 27 ۴	TUE منگل	3 ۱۱ 10 ۱۸ 17 ۲۵ 24 ۲	TUE منگل	2 ۹ 9 ۱۶ 16 ۲۳ 23 ۳۰ 30 ۷
WED بدھ	7 ۱۳ 14 ۲۰ 21 ۲۷ 28 ۵	WED بدھ	4 ۱۲ 11 ۱۹ 18 ۲۶ 25 ۳	WED بدھ	3 ۱۰ 10 ۱۷ 17 ۲۴ 24 ۳۱ ۸
THU جمعرات	1 ۷ 8 ۱۴ 15 ۲۱ 22 ۲۸ 29 ۶	THU جمعرات	5 ۱۳ 12 ۲۰ 19 ۲۷ 26 ۴	THU جمعرات	4 ۱۱ 11 ۱۸ 18 ۲۵ 25 ۲ 6 ہولی
FRI جمعہ	2 ۸ 9 ۱۵ 16 ۲۲ 23 ۲۹ 30 ۷	FRI جمعہ	6 ۱۴ 13 ۲۱ 20 ۲۸ 27 ۵	FRI جمعہ	5 ۱۲ 12 ۱۹ 19 ۲۶ 26 ۳
SAT سنیچر	3 ۹ 10 ۱۶ 17 ۲۳ 24 ۳۱ ۸	SAT سنیچر	7 ۱۵ 14 ۲۲ 21 ۲۹ 28 ۶	SAT سنیچر	6 ۱۳ 13 ۲۰ 20 ۲۷ 27 ۴

April	ربیع الاول ۱۴۲۵ھ	May	ربیع الاول-ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ	June	ربیع الثانی-جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
SUN اتوار	4 ۱۲ 11 ۱۹ 18 ۲۶ 25 ۳	SUN اتوار	30 ۹ 2 ۱۱ 9 ۱۸ 16 ۲۵ 23 ۲	SUN اتوار	6 ۱۶ 13 ۲۳ 20 ۳۰ 27 ۷
MON پیر	5 ۱۳ 12 ۲۰ 19 ۲۷ 26 ۵	MON پیر	31 ۱۰ 3 ۱۲ 10 ۱۹ 17 ۲۶ 24 ۳	MON پیر	7 ۱۷ 14 ۲۴ 21 جمادی الاول ۲ 28 ۸
TUE منگل	6 ۱۴ 13 ۲۱ 20 ۲۸ 27 ۶	TUE منگل	4 ۱۳ 11 ۲۰ 18 ۲۷ 25 ۴	TUE منگل	1 ۱۱ 8 ۱۸ 15 ۲۵ 22 ۲ 29 ۹
WED بدھ	7 ۱۵ 14 ۲۲ 21 ۲۹ 28 ۷	WED بدھ	5 ۱۴ 12 ۲۱ 19 ۲۸ 26 ۵	WED بدھ	2 ۱۲ 9 ۱۹ 16 ۲۶ 23 ۳ 30 ۱۰
THU جمعرات	1 ۹ 8 ۱۶ 15 ۲۳ 22 ۲۹ 29 ۸	THU جمعرات	6 ۱۵ 13 ۲۲ 20 ۲۹ 27 ۶	THU جمعرات	3 ۱۳ 10 ۲۰ 17 ۲۷ 24 ۴
FRI جمعہ	2 ۱۰ 9 ۱۷ 16 ۲۴ 23 ۳ 30 ۹	FRI جمعہ	7 ۱۶ 14 ۲۳ 21 ۳۰ 28 ۷	FRI جمعہ	4 ۱۴ 11 ۲۱ 18 ۲۸ 25 ۵
SAT سنیچر	3 ۱۱ 10 ۱۸ 17 ۲۵ 24 ۳	SAT سنیچر	1 ۱۰ 8 ۱۷ 15 ۲۴ 22 ۲۹ 29 ۸	SAT سنیچر	5 ۱۵ 12 ۲۲ 19 ۲۹ 26 ۶

July	جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ	August	جمادی الثانی-رجب ۱۴۲۵ھ	September	رجب-شعبان ۱۴۲۵ھ
SUN اتوار	4 ۱۴ 11 ۲۱ 18 ۲۸ 25 ۶	SUN اتوار	1 ۱۳ 8 ۲۰ 15 ۲۷ 22 ۴ 29 ۱۱	SUN اتوار	5 ۱۸ 12 ۲۵ 19 ۲ 26 ۹
MON پیر	5 ۱۵ 12 ۲۲ 19 ۲۹ 26 ۷	MON پیر	2 ۱۴ 9 ۲۱ 16 ۲۸ 23 ۵ 30 ۱۲	MON پیر	6 ۱۹ 13 ۲۶ 20 ۳ 27 ۱۰
TUE منگل	6 ۱۶ 13 ۲۳ 20 ۳۰ 27 ۸	TUE منگل	3 ۱۵ 10 ۲۲ 17 ۲۹ 24 ۶ 31 ۱۳	TUE منگل	7 ۲۰ 14 ۲۷ 21 ۴ 28 ۱۱
WED بدھ	7 ۱۷ 14 ۲۴ 21 ۲ 28 ۹	WED بدھ	4 ۱۶ 11 ۲۳ 18 ۳۰ 25 ۷	WED بدھ	1 ۱۴ 8 ۲۱ 15 ۲۸ 22 ۵ 29 ۱۲
THU جمعرات	1 ۱۱ 8 ۱۸ 15 ۲۵ 22 ۳ 29 ۱۰	THU جمعرات	5 ۱۷ 12 ۲۴ 19 رجب ۱ 26 ۸	THU جمعرات	2 ۱۵ 9 ۲۲ 16 ۲۹ 23 ۶ 30 ۱۳
FRI جمعہ	2 ۱۲ 9 ۱۹ 16 ۲۶ 23 ۴ 30 ۱۱	FRI جمعہ	6 ۱۸ 13 ۲۵ 20 ۲ 27 ۹	FRI جمعہ	3 ۱۶ 10 ۲۳ 17 ۳۰ 24 ۷
SAT سنیچر	3 ۱۳ 10 ۲۰ 17 ۲۷ 24 ۵ 31 ۱۲	SAT سنیچر	7 ۱۹ 14 ۲۶ 21 ۳ 28 ۱۰	SAT سنیچر	4 ۱۷ 11 ۲۴ 18 ۳۱ 25 ۸

October	شعبان-رمضان ۱۴۲۵ھ	November	رمضان-شوال ۱۴۲۵ھ	December	شوال-ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ
SUN اتوار	31 ۱۵ 3 ۱۹ 10 ۲۶ 17 رمضان ۲ 24 ۸	SUN اتوار	7 ۲۲ 14 ۲۹ 21 ۶ 28 ۱۳	SUN اتوار	5 ۲۰ 12 ۲۷ 19 ۴ 26 ۱۱
MON پیر	4 ۱۷ 11 ۲۴ 18 ۳ 25 ۹	MON پیر	1 ۱۶ 8 ۲۳ 15 ۳۰ 22 ۷ 29 ۱۴	MON پیر	6 ۲۱ 13 ۲۸ 20 ۵ 27 ۱۲
TUE منگل	5 ۱۸ 12 ۲۵ 19 ۴ 26 ۱۰	TUE منگل	2 ۱۷ 9 ۲۴ 16 نزول ۱ 23 ۸ 30 ۱۵	TUE منگل	7 ۲۲ 14 ۲۹ 21 ۶ 28 ۱۳
WED بدھ	6 ۱۹ 13 ۲۶ 20 ۵ 27 ۱۱	WED بدھ	3 ۱۸ 10 ۲۵ 17 ۲ 24 ۹	WED بدھ	1 ۱۶ 8 ۲۳ 15 ۳۰ 22 ۷ 29 ۱۴
THU جمعرات	7 ۲۰ 14 ۲۷ 21 ۵ 28 ۱۲	THU جمعرات	4 ۱۹ 11 ۲۶ 18 ۳ 25 ۱۰	THU جمعرات	2 ۱۷ 9 ۲۴ 16 بقرعید ۱ 23 ۸ 30 ۱۵
FRI جمعہ	1 ۱۴ 8 ۲۱ 15 ۲۸ 22 ۹ 29 ۱۳	FRI جمعہ	5 ۲۰ 12 ۲۷ 19 ۴ 26 ۱۱	FRI جمعہ	3 ۱۸ 10 ۲۵ 17 ۲ 24 ۹ 31 ۱۶
SAT سنیچر	2 ۱۵ 9 ۲۲ 16 ۲۹ 23 ۷ 30 ۱۴	SAT سنیچر	6 ۲۱ 13 ۲۸ 20 ۵ 27 ۱۲	SAT سنیچر	4 ۱۹ 11 ۲۶ 18 ۳ 25 ۱۰

"تعمیر حیات" کا مطالعہ یعنی فکر کی تعمیر اور شعور کی تربیت کا ایک مشن ۔۔۔ اس مشن کو عام کرنے میں آپ کا تعاون درکار ہے۔

فقہی سوال وجواب

مفتی محمد طارق ندوی

سوال: ایک شخص مسجد کی دکان میں کاروبار کرتا ہے، لیکن نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتا تو اس کی کمائی کا کیا حکم ہے؟

جواب: کمائی تو حرام نہیں ہے، مگر کاروبار میں اتنا مشغول ہونا کہ نماز تک نہ پڑھے، حرام ہے۔

سوال: شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟

جواب: ناپاک ہے شیر خوار بچہ لڑکا ہے تو ہلکا دھونا کافی ہے، اگر لڑکی ہے تو اہتمام سے دھونا ضروری ہے۔

سوال: کتا اگر کپڑوں سے مس ہوجائے تو وہ کپڑے پاک رہیں گے یا ناپاک ہوجائیں گے؟

جواب: کتے کے بدن سے کوئی چیز یا کپڑا مس ہوجائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا جب کہ اس کے بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو خواہ اس کا بدن خشک ہو یا گیلا لیکن کتے کے لعاب کے لگ جانے سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا۔

سوال: کیا کتے کا لعاب ناپاک ہے؟

جواب: ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے، اگر کپڑے میں لگ جائے تو اس حصہ کا پاک کرنا لازمی ہے۔

سوال: ایک بقر قصاب نے گاؤں میں بکرا خریدا اور ذبح کرنے کے لئے جارہا تھا کہ اچانک وہ مرگیا، اس نے غیر مسلموں کے ہاتھ اس کے گوشت کو فروخت کردیا اور اس کی ساری قیمت مدرسہ میں دے دی تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں مردار بکرے کی بیع باطل ہے، اس وجہ سے اس رقم کو مدرسہ میں لگانا درست نہ ہوگا۔

سوال: زید کی لڑکی کا عقد دو برس قبل ہوا تھا لیکن لڑکے کے سعودیہ چلے جانے کی وجہ سے رخصتی نہیں ہوئی تھی پھر لڑکے کی طرف سے طلاق نامہ موصول ہونے پر کیا لڑکی مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں چونکہ خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی ہے اس لئے مطلقہ نصف مہر کی حقدار ہوگی۔

سوال: رابعہ کے والد نے رابعہ کا نکاح آٹھ برس کی عمر میں کرادیا تھا اب بالغ ہونے کے بعد وہ اپنے شوہر کے گھر نہیں جانا چاہتی ہے بلکہ اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے ایسی صورت میں کیا حکم شرعی ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں باپ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا عقد کردے تو وہ نکاح لازم ہوجاتا ہے، بلوغ کے بعد لڑکے یا لڑکی کو فسخ کرنے کا حق نہیں ہے۔

☆☆☆

Phone: 2226657

Fit &Co.

Since 1916

Specialist in

Suits & Sherwani

Near Sardar Sons.

At Nazirabad, Lucknow

HAJ 2004

Rs. 70,000/-

Travelup

58,Hazrat Ganj,Lucknow-226001

Phone : 0522-2274712

Telefax : 0091-522-2266910

Email:

Travelup@rediffmail.com

Mobile : 9415086659